



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ---

اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ اَحِبَّابُ-----"

"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید ----"

ناولز کی دنیا "ویب سائٹ / گروپ / پیج" دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خداداد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کر سکتے ہیں --- اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں --- ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے ---

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں -- اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہو سکا آپکی تحریر پوسٹ ہو جائے گی ---

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں--

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- [Novels ki duniya](#)

(user name [@zoyatalib77](#))

Facebook group :- [Novels ki duniya](#)

Instagram Page:- [Zoya Talib](#) (UserName: [Novelskiduniya77](#))

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو)

اور باقی کے رابطے کے لیے ہر پیج کے نیچے

["novels ki duniya"](#)

اور

["website"](#)

لکھا ہے ان دونوں کو وزٹ کرنے کے لیے لکھے ہوئے پر ہی کلک کریں اور اوپن کر لیں ---

شکریہ-----

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ابابیل

از قلم: داسکریٹ کلر

باب پنجم: ”ریشم کی ڈور“

قسط نمبر 5:

اورى گامى

ایک ہوا چلی اور ہم آزاد ہو گئے

ان جگہوں سے دور جہاں ہم ہوا کرتے تھے

چکر لگانا، آباد ہونا پھر بار بار تہہ کرنا

جس جانب کو ہم جایا کرتے تھے، اسے جدید بنا دیا گیا

اور یگامی ستارے، ایک سورج، ایک چاند، ایک دنیا
جہاں ہم باہر اندر دیکھتے ہیں
آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں کہ ہم کہاں سے جڑتے ہیں
ہمیں مضبوط بننے کے لیے بنایا گیا لیکن ہوا کی طرح ہلکا
ہواؤں کا سامنا کرنے کے لیے بنایا گیا اور پھر بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہے
رات کا سامنا کرنے کی طاقت کے ساتھ جب اندھیرا بہت زیادہ رہتا ہے
ہم کبھی بھی تیز ہواؤں کی تبدیلیوں اور تناؤ کو نہیں سمجھ پائیں گے
وہ گھومنا اور کھڑکھڑانا
اور قسمت کا اپنا دروازہ کھلتا ہے
یہ جاننا کہ کیوں اہمیت نہیں رکھتی، کیا اہمیت رکھتی ہے؟
جب میں اس بخارات کو چھونے کے لیے اپنے ہاتھ تک پہنچتا ہوں
اس کی تعریف کرنا بہت ناممکن ہے۔
فانی الفاظ بیان نہیں ہو سکتے
دیکھنے کے لیے کچھ نہیں
چھونے کے لیے کچھ نہیں

بس ہماری ہلکی سانسیں

ایک حقیقت، افسانہ نہیں

کہ آخری نیند نہیں مٹ سکتی

تو یقینی طور پر زندگی کی یہ سانس ہم بانٹتے ہیں

یہ وجہ کافی ہے کہ ہم یہاں ہیں

(اوری گامی سٹار بائے کیری ریچرڈ)

وہ پست قامد شخص چہرے پر گہری مسکراہٹ لیے حلیل سعدی کا سنجیدہ اور ناگواریت سے بھرپور چہرہ دیکھ رہا تھا۔ حلیل سعدی نے چند لمحے لیے۔ خود کو واپس اپنے ازلی nonreactive موڈ میں انسٹال کیا جو اس کی دنیا کا خاصا تھا اور پھر ہلکا سا مسکرا دیا۔

”الاجاتی میں خوش آمدید ڈان وٹو۔“ اس نے شائستگی سے کہا۔ وہ پست قامد، ادھیڑ عمر شخص مسکرا دیا جیسے اسے حلیل سعدی سے اسی کی امید تھی۔

”ٹھیک ہے حلیل سعدی۔ اب ذرا ہمارے کام کی بات ہو جائے۔“ ابابیل سب کے سب چلے گئے تھے۔ باقی چرند پرند اپنے اپنے کام میں مصروف ہو گئے تھے۔ بہت سے ملازم وہاں کسی نہ کسی جانور کے ساتھ مصروف تھے۔ ان دونوں کی جانب کوئی بھی متوجہ نہیں تھا۔

”کہیے، میں سننے کے لیے تیار ہوں۔“

”تم جانتے ہو میرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔“ پست قامد سے پروتار ڈان وٹو نے کہنا شروع کیا۔

حلیل سعدی چونکا۔ دماغ نے سیکنڈز میں بہت سی مینی پولیشنز کیں۔ اس کی مسکراہٹ بے حد گہری ہو گئی۔ ڈان وٹو اسے اپنا جانشین بنانے کا سوچ رہا تھا۔ وہ ایک اہم کام کے لیے آیا تھا۔ وہ پہلے کیوں نہ سمجھ سکا؟ اف یہ بڑھاپا! اچھے اچھوں کی اکڑ نکال دیتا ہے۔ اس نے محظوظ ہوتے ہوئے سوچا تھا۔ ہاں وہ تو پوری طرح سے اس کا جانشین بننے کو تیار تھا۔ وہ اسی وقت کا تو صدیوں سے انتظار کر رہا تھا۔ آخر کار وہ لمحہ آن پہنچا تھا اور وہ خوشی سے چلانا چاہتا تھا اور چاہتا تھا کہ اس سبزہ زار کے سارے چرند پرند اس کے ساتھ جھومیں، ناچیں، گائیں کیونکہ وہ بہت خوش تھا۔

”یقیناً مجھے اپنی کرسی اور اپنا اقتدار کسی قابلِ فہم شخص کے ہاتھوں سونپنا ہے جو دہشت سے زیادہ دماغ سے فیصلے لے۔“ ڈان وٹو مزید کہہ رہا تھا۔

وہ چپ چاپ سننے لگا۔

اور تمہیں حلیل سعدی پاشا کی قابلیت پر یقیناً شک نہیں ہے گمبینو لوسیانو۔۔۔ مائی گاڈ فادر! وہ اب بے تحاشہ پر سکون دیکھائی دیتا تھا۔ ظاہر و باطن کی ہلچل قریباً تھم چکی تھی۔ اندر باہر گہرا سکوت! ”اور اس سلسلے میں مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے لورنزو بیانچی۔“

”میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں گاڈ فادر؟ کیا مجھے اس اقتدار کے لیے چند باسز کو پرکھنا ہوگا؟“ انتہائی تابعداری سے استفسار کیا گیا۔

”کیا تم اس اقتدار کو سنبھالنے کے لیے تیار ہو لورنزو بیانچی؟“ گاڈ فادر گمبینو لوسیانو سنجیدگی سے حلیل سعدی کو دیکھ رہا تھا اور حلیل سعدی کی سرشاری کی حد نہیں تھی۔ اقتدار اور طاقت بھلا کسے بری لگ

سکتی ہے؟ کون اقتدار اور طاقت کو لات مارنا چاہے گا؟ کم از کم حلیل سعدی تو اتنا بیوقوف نہیں تھا۔ وہ اس اقتدار کو لات نہیں مار سکتا تھا۔ ہاں وہ یہ اقتدار سنبھالنے کے لیے تیار تھا۔

”مگر گاڈ فادر ابھی میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ اتنا بڑا عہدہ سنبھال سکوں۔ ہم روسی ڈان وٹو سے اس سلسلے میں مشاورت کر سکتے ہیں۔“ اور وہ جانتا تھا گاڈ فادر گمبینو لوسیانو مر سکتا ہے روسی ڈان وٹو سے مشاورت نہیں کر سکتا۔

”میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ میں اپنے بھائی سے زیادہ تم پر بھروسہ کرتا ہوں لورنزو بیانچی اور تم حتمی فیصلہ کرنے کے لیے وقت لے سکتے ہو۔“ میں تو فیصلہ لے چکا ہوں سنیور گاڈ فادر۔ وہ پرسوچ نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا مگر پریشان نظر آتا تھا جیسے اسے مسئلے کی سنگینی کا خوب احساس ہو رہا تھا۔

”بہر حال تمہیں اس سے پہلے ایک قربانی دینا ہوگی۔“ گاڈ فادر گمبینو لوسیانو نے کہا اور وہ چونکا۔

”کیسی قربانی؟“

اور جو قربانی مانگی گئی تھی وہ اس کی استطاعت سے بڑھ کر تھی۔

وہ اس قربانی کے لئے تیار نہیں تھا۔

وہ تیار ہو بھی کیسے سکتا تھا؟

اس سے جو مانگا گیا تھا وہ کبھی نہیں دے سکتا تھا۔

لیکن کیا واقعی؟

وہ اقتدار اور طاقت کو لات مار سکتا تھا؟

حلیل سعدی اب کے حقیقی پریشانی میں مبتلا ہوا تھا۔

کیا مانگی گئی قربانی اس قدر بھاری تھی کا اقتدار کو لات ماری جاسکتی؟

شاید نہیں۔

آج ماحول میں قدرے مایوسی کا عالم چھایا ہوا تھا۔ اپنی گاڑی گراج میں کھڑی کرنے کے بعد وہ وہیں اس سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ نیچے کنٹرول روم سے سیکیورٹی چیف بہرام اوپر آیا اور اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

”سلام بہار حانم! آپ نے بلایا؟“ وہ سنجیدگی سے استفسار کر رہا تھا۔

”تم سے اس حملے کی تحقیقات کا کہا تھا۔ کہاں تک پہنچیں تمہاری تحقیقات؟“ بہرام نے کینٹی مسلی جیسے بہار کے اس حملے کو بھول ہی گیا تھا یا اسے بتانا بھول گیا تھا۔

”دراصل میری تحقیقات مکمل ہیں لیکن۔۔۔ وہ حملہ حلیل سعدی نے کرویا تھا اور سلطان بے نے آپ کو یہ سب بتانے سے منع کیا تھا۔“

”اوہ۔۔۔ اور وہ کس وجہ سے حلیل سعدی کو بچا رہے ہیں؟“

”یہ انھوں نے نہیں بتایا لیکن اتنا ضرور کہا تھا کہ حلیل سعدی نے جان بوجھ کر یہ حملہ نہیں کروایا تھا شاید اس سے کروایا گیا تھا۔“

”بابا اس وقت کہاں ہیں بہرام؟“ وہ بہت سا غصہ ضبط کر کے پوچھ رہی تھی۔

”شاید برازیل میں یا پالمو میں ہیں لیکن سیلن۔۔۔“

”تمام‘ تم نے جو ثبوت حلیل سعدی کے خلاف اکٹھے کئے ہیں اندر اسٹڈی میں لے آؤ۔ میں وہ سب دیکھنا چاہتی ہوں۔“

”لیکن سلطان عمر۔۔۔“

”بہرام! جتنا کہا جائے اتنا کرو۔ ثبوت لانے سے پہلے اگر بابا کو اطلاع کرنا چاہو تو بھی مجھے کوئی مسئلہ نہیں لیکن اگلے آدھے گھنٹے میں تم اسٹڈی میں موجود ہونے چاہیے۔“ وہ مڑ گئی۔

”بہار حانم!“ اس نے بے اختیار آواز لگائی۔

”اس سب میں آپ کی جان کو خطرہ ہے اور سلطان۔۔۔“ بہار نے بڑی مشکل سے خود کو کنٹرول کیا۔

”Behram! Don't try to be my boss.“ وہ بہت سا غصہ ضبط کر کے صرف اتنا ہی کہہ سکی تھی۔ ایسے ہی تو اینگزائیٹڈ اٹیک نہیں ہوا کرتے۔

بہرام مزید کچھ کہے بنا واپس چلا گیا۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑی رہی اور پھر اندر کی جانب بڑھ گئی۔ لاؤنج میں ہی اسے سیلن نظر آگئی اور وہ سرد آہ بھر کر رہ گئی۔ سیلن اکیلی نہیں تھی اس کی کئی سہیلیاں بھی گھر پر موجود تھیں۔ سیلن جب بھی اسٹنبل آتی تو اس کے meetups اسی گھر میں ہوا کرتے تھے اور ان gatherings میں سب سے زیادہ کوفت زدہ بہار ہی ہوا کرتی تھی۔ وہ بڑی زبردستی چہرے پر مسکراہٹ سجائے لاؤنج میں آئی۔ کھڑے کھڑے سلام کیا اور فریش ہونے کا کہہ کر اوپر آگئی۔

”اوہ خدایا۔ مجھے صبر دینا۔“ وہ اپنے کمرے کی جانب جاتے ہوئے بڑبڑائی۔

اس کے کہے کے مطابق آدھے گھنٹے بعد بہرام لائبریری میں اس کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ وہ مروتا اسے بیٹھنے کا کہہ بھی دیتی تو وہ کھڑا ہی رہتا۔

”ہونہہ تو کیا ایویڈنس ہیں کہ وہ حملہ حلیل سعدی نے کروایا تھا؟“ وہ سربراہی کرسی میں براجمان سنجیدگی سے فائل کے صفحات پلٹتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ اس فائل میں بھی حلیل سعدی کی کوئی تصویر موجود نہیں تھی۔ وہ یقیناً اپنی شخصیت کو منظر عام پر نہیں لانا چاہتا تھا لیکن بہار اسے منظر عام پر ہی دیکھنا چاہے گی اگر وہ اس حملے کے پیچھے تھا۔

”یہ طاہر چنگیزی ہے جو بورصہ کے پہاڑوں میں رہتا ہے اور اونچے پائے کا کلاشنکوف سمگلر ہے۔ اس کے حلیل سعدی کے ساتھ اچھے تعلقات ہیں اور وہ اس کے لیے کام بھی کرتا ہے۔ سلطان عمر کے کچھ آدمی پہلے ہی طاہر کے انڈر کام کرتے ہیں۔ ہمیں اس حملے کی معلومات پہلے سے ہی تھی اسی لیے آپ کی سیکیورٹی کو بڑھانا چاہا لیکن آپ کو اکیلے میدان جنگ میں لڑ کر سرخ رو بھی تو ہونا تھا سو آپ ہمیں ڈاج دے کر اکیلے نکل لیں۔“

”اپنی ناقابلیت کا ملبہ مجھ پر مت ڈالو، اگر تم لوگوں کی سیکیورٹی اسٹریٹجی بہترین ہوتی تو میں کبھی بھی ایسے نہ جاسکتی۔ خیر آگے بتاؤ۔“ وہ سنجیدہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

”بہر حال حلیل سعدی کے لیے کام کرنے والے لوگوں کی ایک خاصیت ہے کہ وہ مخصوص اقسام کی اشیاء استعمال کر کے واردات کرتے ہیں پھر چاہے وہ کچھ بھی ہو اور۔۔۔“ وہ کچھ اور بھی کہنا چاہ رہا تھا لیکن دروازہ ناک کر کے سیلن اندر آئی۔ پیروں میں نازک سی ہیل پہنے، گہری نیلی سکرت اور بلاؤز

میں ملبوس وہ اپنی عمر سے کم ہی لگتی تھیں۔ میک اور بالکل فریش تھا۔ یقیناً وہ کہیں جانے کا پلان بنا رہی تھی اور اسی سلسلے میں بہار کو دعوت دینے آئی تھی۔

”بہار جنم! ہم اسکو در جارہے ہیں۔ آج ہی وہاں ایک سی فوڈ ریسٹوران کی اوپننگ ہوئی ہے۔ کیا خیال ہے چلیں؟“ بہرام خاموشی سے سائیڈ پر کھڑا ہو گیا اور سیلن کہتے ہوئے بہار کے بالکل سامنے میز کی دوسری جانب کھڑی ہو گئی۔

”سیلن جم! میں بہت تھکی ہوئی ہوں اور ابھی کچھ کام بھی کرنا ہے۔ یعنی میں بہت معذرت کے ساتھ انکار کر رہی ہوں۔ ہم پھر کبھی ساتھ میں باہر چلیں گے۔“ اس نے سہولت سے انکار کیا۔

سیلن نے لمحوں میں اس کے انکار کا برا منایا اور سامنے فرصت سے بیٹھ گئی۔ بہرام گونگا، بہرا بنا وہیں کھڑا رہا۔

”بہار! تمہاری عمر اس طرح کے بکھیڑوں میں پڑنے کی نہیں ہے۔ سلطان نے بتایا مجھے جو تمہارے ساتھ ہوا ہے لیکن اسی کا نام زندگی ہے اور میں اپنی مصروفیات ترک کر کے یہاں صرف تمہارے لیے آئی ہوں۔ پلیز تم ساتھ چلو اور کچھ دیر انجوائے کرو۔“ اس نے ضبط کا گھونٹ بھرا۔ ایک نظر سیلن کو اور پھر بہرام کو دیکھا۔

”سیلن! میں نے اپنی فیملی کے دو اہم لوگوں کو کھویا ہے۔ میں اپنی ماں کے قاتلوں تک پہنچنا چاہتی ہوں۔ مجھے اپنے بھائی کو تلاش کرنا ہے۔ سلطان عمر میرا باپ ہے جس کی ایک پروفیشنل مافیا لائف ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے بیٹے کو بچا نہیں سکتے۔ سیلن تم ایک بلیسنری مافیا کی اکلوتی اور خوبصورت بیوی ہو تم عیش کر سکتی ہو۔ پارٹیز، آؤٹنگ، ٹریولنگ تمہارا سب سے پسندیدہ مشغلہ ہو سکتا ہے لیکن میں بہار

سلطان ہوں اور میری زندگی اتنی سموتھ اور نارمل نہیں ہے۔ مجھے سارا دن باہر گزار کر رات کا کچھ حصہ گھر پر سکون کرنا ہوتا ہے یعنی مجھے آؤٹنگ کا شوق نہیں ہے۔ میرے ہزاروں کی تعداد میں دوست نہیں ہیں جن کے ساتھ میں پارٹیز کرنا مس کر سکتی یعنی مجھے پارٹیز کا بھی شوق نہیں ہے۔ میں سارا دن ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتی ہوں اور استنبول سے خوبصورت شہر مجھے دنیا میں کوئی نہیں لگتا۔ مجھے ٹریولنگ کا شوق ہے لیکن اس وقت میں بے فکر ہو کر ٹریول پر نکل جانا افورڈ نہیں کر سکتی۔ میں تمہارا مزید وقت ضائع کئے بنا صرف اتنا کہنا چاہوں گی تم میرے لیے ہلکان مت ہوا کرو۔ اپنی زندگی اپنے لیے جیو۔ میں تمہاری پرسنل اسپیس کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی۔ امید ہے تم نے برا نہیں منایا ہو گا۔“ آخر میں وہ بے تکلفی سے مسکرا دی۔

”اف بہار! تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا۔ کیا تم نے شادی کے لیے کوئی لڑکا دیکھا ہے یا اس معاملے میں بھی تمہارے پاس مجبوریاں سنانے کو لمبی داستان ہے؟“ وہ اٹھتے ہوئے سرسری سے انداز میں پوچھ رہی تھی۔ بہار مسکرائی۔

”اس سلسلے میں آپ کو میری طرف سے مایوس نہیں ہونا پڑے گا۔“ اس نے سادگی سے کہا۔

”اوہ اس کا مطلب بہار سلطان کی شادی کی تیاریاں شروع کر دی جائیں؟“ وہ اسے چھیڑتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ بہار نے بس مسکراہٹ پاس کی۔

سیلن دو چار مزید باتیں کرنے کے بعد چلی گئی اور بہار نے سکھ کا سانس لیا۔

”تمہیں چاہیے تھا سیلن کے یہاں آتے ہی مجھے خبر کر دیتے لیکن نہیں تمہیں تو سلطان عمر اور اس کی بیوی کی نظر میں ہی اچھا بننا ہے۔ اب جاؤ تم بھی یہاں سے، مزید کچھ بھی سننے سے دل اچاٹ ہو گیا ہے۔“

”میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ اپنی سموکر دوست کے ساتھ اس کے مرغیوں کے ڈربے میں رات گزاریں۔“

”دوبارہ صنوبر کے بارے میں کچھ مت کہنا۔“ اس نے تنبیہ کی اور بہرام سر اثبات میں ہلا کر باہر کی جانب بڑھ گیا۔

”ظاہر تو ایسے کرتے ہو جیسے میرے سب سے بڑے فرمانبردار تم ہی ہو اور وہ سیلن صاحبہ! ان کے تو کیا ہی کہنے؟ جیسے میں تو جانتی ہی نہیں کہ محترمہ کو سلطان عمر کی غیر موجودگی میں استنبول صرف gambling کے لیے یاد آتا ہے۔“ بہرام کے دروازہ پار کرنے تک بہار کی صرف اتنی بڑبڑاہٹ ہی سننے میں آئی تھی۔

”اوہ بہار سلطان۔“ اس نے افسوس سے سوچا۔

آج کا دن تھکا دینے والا تھا۔ آج اس کی پھر حلیل سعدی کے ساتھ ایک تلخ میٹنگ تھی۔ وہ ایسا تو نہیں تھا کہ دو ٹوک اور ٹھنڈے انداز میں بات کرے۔ وہ تو بہت عزت سے بات کرتا تھا۔ اسے کیا ہو گیا تھا؟ وہ گھر پہنچنے تک حلیل سعدی کے بارے میں ہی سوچتی رہی تھی۔ عجیب سی کشمکش میں

گھرے رہنے کے بعد وہ گھر پہنچی تھی۔ ابھی وہ گھر کے باہر ہی تھی جب اس کا فون بجا۔ اس کا بلیو ٹوٹھ کار کے الیکٹرک سسٹم سے منسوب تھا سو وہاں وہ نام دیکھ سکتی تھی اور نام دیکھ کر بے اختیار اس کے چہرے پر نرم سا تاثر چھا گیا۔

”مرحبا!“ اس نے کال آنسر کر دی۔

”مرحبا بہار، کیا ہم آج ڈنر ساتھ کر سکتے ہیں؟“ بہار نے زور سے آنکھیں میچیں۔ اس وقت وہ کہیں بھی نہیں جانا چاہتی تھی۔

”لیام کیا ہم کسی اور دن مل سکتے ہیں؟“ اسے اس طرح کی دعوتوں کو انکار کرنے کی خاصی پریکٹس تھی اور ابھی بھی وہ یہی کرنا چاہتی تھی۔

”مجھے حلیل سعدی کے بارے میں ضروری بات کرنی ہے۔“

”آہ حلیل سعدی۔“ وہ سرد آہ بھر کر رہ گئی۔

پلیز کسی اور دن۔۔۔ وہ کہنا چاہتی تھی۔

”کہاں آنا ہے؟“ اس نے کہا اور گاڑی گھر کے باہر ہی روکے رکھی۔

”ہوٹل گولڈن سٹی۔“

”تمام، میں پہنچ جاؤں گی ایک گھنٹے تک۔“ اس نے کہہ کر کال کاٹ دی اور کار سے باہر نکل کر گھر کی جانب بڑھ گئی۔

کچھ ہی دیر بعد وہ سرخ بوٹ نیک والی شرٹ اور سیاہ بوٹ کٹ والی پینٹ اور پلیٹ فام ہیل پہنے گیٹ سے باہر نکل رہی تھی۔ اپنی کار کا دروازہ کھولتے ہوئے وہ چونکی۔ ونڈ اسکرین پر کچھ تھا جس کو دیکھتے ہوئے اس کے چہرے کا رنگ تبدیل ہوا۔ اس نے گیٹ کے باہر قدرے فاصلے پر کھڑے گارڈز کو دیکھا اور پھر ونڈ اسکرین پر سے وہ اوری گامی پیپر اٹھا لیا۔ وہ پیلے رنگ کے کاغذ پر سورج مکھی کا پھول بنا ہوا تھا۔ بہار شکوہ سی اسے ہاتھ میں تھامے کتنی ہی دیر دیکھتی رہی۔ شکر ہے کسی اور نے دیکھ نہیں لیا تھا۔

”تم سب جلد ہی بہار سلطان کو جان جاؤ گے۔“ اس نے وہ کاغذ اپنے ہاتھ میں بھیج لیا۔

ریستوران میں کھانوں کی اشتعال انگیز خوشبو سڑک کے آخری سرے تک جارہی تھی۔ گلاس وال کے پار وہ اسے اندر کی جانب آتے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔ اس کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ رینگ گئی۔ وہ آج بھی ہمیشہ کی طرح پیاری لگ رہی تھی اور اس سے آگے ہمیشہ کی طرح فل سٹاپ تھا۔ وہ ریستوران کے اندر داخل ہو چکی تھی اور اب ارد گرد اس کی تلاش میں نگاہیں دوڑا رہی تھی۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر سٹی بجا کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔

سٹی کی آواز پر بہار نے اس جانب دیکھا اور جلد ہی اسے لیام جان نظر آگیا۔ وہ یونانی نقوش والا شخص اتنا مصعوم لگتا تھا کہ اس پر بے تحاشہ پیار آتا تھا۔ بہار اسے مسکرا کر دیکھتے ہوئے اسی جانب بڑھی۔

”یک شم لار۔ (شام بخیر)“ لیام مسکراتے ہوئے اپنی سیٹ سے اٹھا اور اس کے لیے دوسری جانب آکر کرسی دھکیل کر پیچھے کر کے بیٹھنے کا کہا۔

”ساؤ۔“ وہ سر اثبات میں ہلا کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

”کیا لیں گی ساوجی؟“ وہ اپنائیت بھرے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

”کیلاماری اور پاستا کاربونارا۔“ اس نے شیشے سے باہر نظر آتے باسفورس برج کو دیکھتے ہوئے مینیو دیکھے بغیر بتایا۔ وہ یہاں کی کسٹمر تھی اور اسے یہاں کا کھانا پسند تھا۔

”گزال (بہت خوب)! مجھے بھی یہی پسند ہے۔“ وہ جانتی تھی لیام جھوٹ بول رہا ہے اسی لیے باسفورس برج سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھ کر ہلکا سا مسکرائی۔ لیام کے جھوٹ کہنے سے اس کا کیا جاتا ہے؟ وہ بھی مسکرا دیا۔

وہ یونانی باشندہ اس وقت ویٹر کو آرڈر لکھوا رہا تھا۔

”میں بارمین (بارٹینڈر) بھی ہوں، آپ کو کچھ چاہیے حانم آفندی (مادم)؟“ ویٹر شرارتی مسکراہٹ لیے بہار کو دیکھ رہا تھا۔

”ساؤ بارمین!“ اس کی مسکراہٹ ہنوز ویسے ہی تھی۔ ویٹر چلا گیا تو لیام اس کی جانب متوجہ ہوا۔

”وہ آپ سے فلرٹ کر رہا تھا۔“

”یقیناً تم جیلس نہیں ہو رہے لیام۔“ وہ ہنسی۔

”شاید ہو رہا تھا۔“ اس نے بھی خفت سے کہتے ہوئے تسلیم کیا۔

”بہر کیف میں اس سے اہم معلومات کے لیے یہاں موجود ہوں۔“

”یعنی حلیل سعدی؟“ وہ سیدھا ہوا اور ساتھ رکھی کرسی پر رکھے لیپ ٹاپ بیگ سے ایک فائل نکال اور اسے بہار کی جانب ٹیبل پر دھکیلا۔

”آپ پر حملہ حلیل سعدی نے کروایا تھا۔“ وہ پختگی سے بولا۔

”نے؟“ ساری مسکراہٹ سمٹی اور وہ سیدھی ہوئی۔ کیا واقعی؟ کیا لیام کے پاس بھی ثبوت موجود تھے؟

”اس فائل میں ثبوت موجود ہیں ساوجی، شاید یہ ثبوت آپ کو ناکافی لگیں لیکن ایک کلیو جو میں آپ کو دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ حلیل سعدی کو صرف کاروں کے ماڈل سے پکڑا جاسکتا ہے۔ وہ ہر ملک میں الگ کمپنی کی کاریں استعمال کرتا ہے جو جدید اور بہترین ہوتی ہیں اور سب سے ضروری بات اس کے انڈر کام کرنے والے لوگ بھی وہی ماڈل استعمال کرتے ہیں۔“

”بہر حال حلیل سعدی کے لیے کام کرنے والے لوگوں کی ایک خاصیت ہے کہ وہ مخصوص اقسام کی اشیاء استعمال کر کے واردات کرتے ہیں پھر چاہے وہ کچھ بھی ہو اور۔۔۔“ اسے یاد تھا چند دن پہلے تک بہرام بھی ایسا ہی کچھ بتا رہا تھا اور سیلن کے آنے کی وجہ سے وہ بات مکمل نہیں کر سکا تھا۔

”یعنی یہ کاریں حلیل سعدی کے لوگوں کی ہیں؟“ وہ فائل میں رکھی تصاویر کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

”ایوت‘ یہ سب فورڈ ایف سیریز کی کاریں ہیں اور یہ سب پچھلے سال ہی امریکہ سے بلیک مارکیٹ میں لائی گئی تھیں اور بلیک مارکیٹ کا وہ بزنس حلیل سعدی کے انڈر تھا۔“

”یہ سب تمہیں کیسے معلوم؟“

”کیونکہ گزرے وقتوں میں، میں بھی اسی دنیا کا باشندہ تھا۔ دراصل میں آپ کے والد کے لیے کونسلیری کا کام کیا کرتا تھا لیکن بعد میں صرف لیگل معاملات کا ایڈوائزر بن گیا اور اب میں ایک ڈپلومیٹ بھی ہوں تو سنبھل کر چلنا پڑتا ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اپنے ملک کو حلیل سعدی جیسے لوگوں سے پاک کروں۔“ پہلی بات سن کر جہاں بہار کے چہرے پر تناؤ ظاہر ہوا تھا اگلی بات پر چہرہ نارمل ہونے لگا تھا۔ تو لیام جان نے اپنے اندر کی اچھائی کو پہچان لیا تھا۔ اسے سن کر اچھا لگا تھا۔

(کونسلیری مافیاز کی دنیا میں تیسرے درجے کا رینک ہوتا ہے جو مافیا فیملی کے درمیان ہونے والے مسائل حل کرتا ہے اور باسز کو مشورے دیتا ہے۔ یہ مافیا فیملی کے لیے قانونی وکیل کا درجہ بھی رکھتا ہے اور مافیا فیملی کا سب سے قابل اعتماد شخص بھی ہوتا ہے اور انڈر باس کے بعد یہ وہ واحد شخص ہوتا ہے جسے باس تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔)

”میں تم پر کیوں یقین کروں لیام؟ اب سے تم بھی میری نظر میں مشکوک بن گئے ہو۔“

”ٹرسٹ می بہار، میں آپ کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ میں آپ کے بابا کے لئے کام کرتا تھا لیکن اب نہیں کرتا۔“ ویٹر واپس آیا اور ان کے سامنے کھانا چننے لگا۔

بہار نے فائل بند کر کے اپنے پاس رکھ لی اور گلاس وال کے پار جگمگاتے پندرہ جولائی کے شہداء پل کو دیکھنے لگی جو اسے اس وقت اپنی طرح ہی دور اور اکیلا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ باسفورس کو دیکھتی رہی یہاں تک کہ اس کی آنکھیں بھگنے لگیں۔

”کیا ہوا بہار؟“ وہ بوکھلا گیا۔

”تم جانتے ہو لیام کہ اس دنیا میں سب سے تکلیف دہ کیا ہوتا ہے؟“ آنسو خود بخود اندر اتار لیے۔ لیام جان اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”کسی ایسے سے دھوکہ کھانا جس کی سچائی کی گواہی آپ کا دل دے چکا ہو۔“ وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ کھانے کا شکریہ ادا کیا جو اس نے کھایا نہیں تھا اور فائل اٹھا کر بھاری ہوتے دل سے باہر نکل گئی۔ وہ ہنوز ہکا بکا سا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ پریشان ہو گیا تھا۔ اسے بہار کی فکر ہونے لگی تھی۔ وہ ٹھیک نہیں تھی۔

اپنی گاڑی میں آنے تک وہ شکست خوردہ سی تھی لیکن کار میں بیٹھتے ہی چہرے پر مسکراہٹ در آئی۔ ”سوری لیام جان۔“ وہ خود سے بڑبڑائی اور چہرہ بے حد سپاٹ ہو گیا لیکن وہ بے انتہا پرسکون سی بیٹھی اس فائل کو دکھنے لگی تھی۔ طوفان آنے سے پہلے شور نہیں کیا کرتا تھا۔ بہار بھی اسی اصول پر کاربند تھی۔ وہ بالکل پرسکون تھی۔

15 نومبر

آج وہ دونوں بہار کے ساتھ شاپنگ پر آئے ہوئے تھے اور اس وقت وہ پالرمو کے بہترین شاپنگ مال سینٹر وکمرشل فورم میں تھے۔ وہ ہر روز کہیں نہ کہیں گھومنے نکل آتے تھے۔ بہار وہاں میڈیا ورلڈ کے اندر ٹیکنیکل گیجٹس کی دکان میں موجود تھی۔ آج وہ تینوں خوش تھے کھلیل سعدی نے کہا تھا۔ وہ ایک گھنٹے تک انھیں جوائن کرے گا اور شاپنگ پر نہ آسکا تو کم از کم ڈنر ساتھ کرے گا اور بہار جانتی تھی

وہ نہیں آئے گا لیکن اس وقت وہ تینوں اسی امید میں خوش تھے کہ وہ آئے گا اور بے حد خوش تھے۔ بہار نے ایک پین کیمرہ لیا اور اسے وہاب کو چیک کروانے لگی۔

ہادی اس سارے میں بور ہو رہا تھا۔ وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے ٹہل رہا تھا۔

وہ دوسری لائن میں چلا گیا تاکہ اپنے لیے کچھ دیکھ سکے۔ ایک جگہ پر اسے منی کیمرہ نظر آئے جو کسی ننھے سے موتی کی طرح خوبصورت اور بے حد چھوٹے سے تھے۔ اس نے وہ باکس اٹھایا جس میں کیمرے ترتیب سے لگے ہوئے تھے اور انھیں چیک کرنے لگا۔

اس جانب کوئی سیلزمین نہیں تھا۔ بہار اور وہاب بھی بڑی تھے اور اس لائن میں صرف دو کیمرہ مانیٹرنگ کے لیے لگے ہوئے تھے۔ ہادی کے ہاتھ سے وہ باکس نیچے گر گیا اور وہ بے اختیار چلا کر پیچھے ہٹا۔ سیلزمین اس کی جانب بھاگے تب تک سارے کیمرے اس شیشے کے باکس سے نکل چکے تھے۔ وہ معذرت کرتا ان کے ساتھ کیمرے اٹھانے لگا۔ وہاب بھی اس کے پاس پہنچ گیا تھا لیکن اس نے کچھ اور دیکھا تھا اور وہ ہادی سے دور ہی رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں یکدم شعلے سے دیکھائی دینے لگے تھے۔ ہادی نے دو یا تین کیمرے اپنے جاگرز کے اندر اڑسائے تھے جو اس ساری افراتفری میں کوئی بھی نہیں دیکھ سکا تھا۔ وہاب اس کے سر پر پہنچا۔

”تم ٹھیک ہو ہادی؟“ اس نے ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں میں ٹھیک ہوں“ یہ کیس میرے ہاتھ سے سلپ ہو گیا تھا۔“ وہ وضاحت دے رہا تھا۔

”کوئی بات نہیں بیٹا۔“ سیلزمین نے مسکرا کر کہا۔ وہ زمین پر جھک کر کیمرہ ڈھونڈ رہا تھا۔

”آبی! اس اسٹور میں واش روم ہے؟“ وہاب نے سنجیدگی سے اس سیلزمین سے پوچھا۔ جواباً ایک دوسرے سیلزمین نے اس کی واش روم تک رہنمائی کی اور وہ بہار کو بتا کر ہادی کو ساتھ لیے اس جانب چلا گیا۔

”یہ کیا تھا ہادی؟“

”نہ؟“ وہ لا پرواہی سے جیبوں میں ہاتھ ڈالے پوچھ رہا تھا۔ وہاب غصے سے جھکا اور اس کے دائیں پیر کے جاگر کو اتار دیا۔ وہاں تین کیمرے تھے۔ اس نے سختی سے ابرو بھینچ کر، سر اٹھا کر ہادی کو دیکھا اور ابرو اٹھا کر پھر سے استفسار کیا۔

”مجھے چاہیے تھے۔“ اس نے شانے اچکا کر کہا۔

”تم گل خانم سے کہہ کر خرید سکتے تھے۔“

”ایسے بھی تو لے لیے ہیں۔ مجھے ضرورت نہیں تھی کہ گل خانم کے پیسے اڑاتا۔“ وہ بیزاری سے کہہ رہا تھا۔

”یہ چوری ہے ہادی۔“

”واٹ ایور، اب تم رکھ لو ویسے بھی اب تو میں پکڑا جا چکا ہوں۔ جاؤ جا کر رکھ دو واپس اگر خود نہیں رکھنے۔“ وہ برے موڈ سے بولا۔ اپنا جاگر واپس پہنا اور ایک نظر وہاب کو دیکھتے ہوئے باہر چلا گیا۔

”اف ہادی۔۔۔ مجھے لگا تمہارا کلیپٹومینیا ختم ہو گیا ہے۔ میں جیت چکا ہوں لیکن وہ سب وقتی تھا۔ تم آج بھی غیر ضروری چیزیں چراتے رہتے ہو۔“

(کلیپٹومینیا ایک نفسیاتی عارضہ ہے جس کے نتیجے میں مریض چھوٹی چھوٹی چوریاں کرنے کے لیے بے لگام اور اندرونی مجبوری محسوس کرتا ہے۔ عام طور پر ایک کلیپٹومینیاک کم قیمت والی چیزوں کو چوری کر لیتا ہے کیونکہ چوری کا مقصد منافع نہیں ہوتا بلکہ تناؤ کو دور کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔) وہ بھی اٹھ کر باہر آگیا۔ اسے ہی کچھ کرنا تھا یا اب کسی سے مدد لینی تھی۔

وہ باہر آیا تو ہادی اس وقت بہار کے پاس کھڑا ہوا تھا جو ہنستے ہوئے اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔ وہاب نے دوسری لائن میں جا کر ایک کیمرہ مزید ساتھ رکھا اور کاؤنٹر پر جا کر وہ کیمرے بھی پیک کرنے کو کہے۔

”تم ان منی کیمراز کا کیا کرو گے وہاب؟“ بہار حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

”کبھی ضرورت پڑ سکتی ہے گل خانم۔“ وہ مسکرایا لیکن ہادی نے خاصی غصیلی نگاہوں سے وہاب کو دیکھا تھا اور وہاب نے اس سے زیادہ سختی اور ناگواری سے ہادی کو اگنور کیا تھا۔

16 نومبر

وہ رات بہار سلطان کے لئے کئی رازوں سے پردہ اٹھا گئی تھی۔ کئی چہرے بے نقاب کر چکی تھی۔ وہ پارلمو میں حلیل سعدی کے دوسرے ولا میں موجود تھی جب اس کا باپ چلتا ہوا اس تک آیا تھا۔ حلیل نے ہی کہا تھا کہ وہ یہاں اپنے باپ سے مل سکتی ہے اور اس نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔ وہ اس پر

ایک مزید احسان کر چکا تھا۔ وہ اس کے باپ کو جلد رہا کروانے میں اس کی بہت مدد کر چکا تھا۔ اس کا باپ بائیس دن کے بجائے پانچ دن میں باہر تھا۔

اس کے احسانوں کا پلڑا بھاری ہو گیا تھا۔

”بابا آپ ٹھیک ہیں؟“ وہ گولائی میں بنے لاؤنج کے سرے تک جلدی سے پہنچ کر ان سے لپٹ گئی۔ اس کا باپ ٹھیک تھا۔ اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ سلطان عمر نے بھی اسے پیار کیا اور وہ ان سے جدا ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔

”تم یہاں سسلی میں کیا کر رہی ہو؟“ انہوں نے بغیر لگی لپٹی کے پوچھا۔ یہ محفوظ جگہ نہیں تھی اور وہ یہاں تھی۔ زیادہ غصہ حلیل سعدی پر ہی تھا۔ وہ کیسے ان کی بیٹی کو یہاں آنے دے سکتا ہے؟

”میں۔۔۔ وہ بچے حلیل سے ملنا چاہتے تھے اسی لیے میں انہیں یہاں لے آئی۔“ اس نے جلدی سے بہانہ گھڑا۔

”بچے ملنا چاہتے تھے یا تم؟“

”یعنی؟“ اس نے نا سمجھی سے پوچھا۔

”کیا تم واقعی لیام جان سے شادی کرنا چاہتی ہو یا مجھے یہ پوچھنا چاہیے کہ کیا تم واقعی حلیل سعدی سے محبت کرنے لگی ہو؟“

”ایوت میں واقعی لیام جان سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔“ وہ جلدی سے بولی۔ دوسرے سوال کا جواب وہ خود کو بھی نہیں دینا چاہتی تھی۔ انا آڑے آ جاتی تھی۔

”وہ اچھا انسان نہیں ہے۔“

”حلیل سعدی کون سا اچھا انسان ہے بابا؟ آپ کون سا اچھے ہیں؟ میں نے کبھی آپ دونوں کو کچھ کہا؟ نہیں۔۔۔ آپ نے میری شادی حلیل سے کروادی میں مان گئی کہ صرف دو سالوں کی ہی تو بات ہے خیر ہے بہار اپنے باپ کی محبت میں کرلو لیکن اب آپ کہہ رہے ہیں ساری زندگی اس مافیا کے ساتھ گزاروں؟ کیا بہار کوئی کھلونا ہے بابا؟“

”ہمارا کام الگ ہے اور ہم مسلمان ہیں۔“ وہ پرسکون سے انداز میں کہہ رہے تھے۔ کم از کم بہار انہیں ایمو شنل نہیں کر سکتی تھی۔

”سیریلی بابا آپ کو بہت جلدی یاد نہیں آگیا؟“ وہ استہزایہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ ”آپ مسلمان ہیں یا نہیں مجھے کیوں بتا رہے ہیں؟ اب میں اپنی زندگی اپنی مرضی سے جینا چاہتی ہوں۔ فار گاڈ سیک اب کی مرتبہ کوئی ایمو شنل بلیک میلنگ مت کریں۔ میں مزید برداشت نہیں کر سکتی۔“

”ایک غیر مسلم سے شادی کر کے تم اپنی زندگی جینا چاہتی ہو؟“

”وہ مسلمان ہو جائے گا۔“

”تمہارے بجائے اگر اللہ کے لیے ہوتا تو میں اس بارے میں سوچ سکتا تھا۔“ اسے اپنے باپ کے منہ سے اللہ کا نام سن کر ناجانے کیوں عجیب لگ رہا تھا۔ وہ انسان اسے سمجھا رہا تھا جس نے ساری زندگی خود ایک بھی اسلامی احکام کی پابندی نہیں کی تھی۔

”میں وسیلہ بھی تو ہو سکتی ہوں۔“ وہ اپنے موقف پر ڈٹی رہی۔ اسے نہیں پتہ تھا کیوں لیکن وہ لیام جان سے بھی شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ بس اپنے باپ اور شوہر کی ہر فیصلے میں مخالفت اسے مزہ دیتی تھی۔ اسے ان لوگوں کی مافیا زندگی سے کہیں دور جانا تھا۔

”اور اگر اس نے اپنا مذہب تبدیل کرنے سے انکار کر دیا تو؟“

”تو کیا بابا؟ میں کسی مسلمان سے شادی کر لوں گی۔“ وہ پھر بھی ڈٹی رہی۔

”حلیل سعدی بھی تو مسلمان ہے۔“ اسے اپنے باپ کے ڈیفنس پر ہنسی آگئی۔

”آپ کے جیسا ہے وہ بھی بابا اس لئے مجھے پسند نہیں ہے۔ ویسے اب کی مرتبہ اس کے ساتھ کس بارے میں ڈیل ہوئی ہے کیا آپ بتانا چاہیں گے؟“ وہ اپنے سخت تاثرات اپنے باپ کے سامنے پیش کرنا چاہتی تھی کہ اسے حلیل سعدی سے اتنی جلدی الگ ہونا ہے جتنی جلدی ممکن ہو سکے۔

”بک بہار! وہ اتنا برا نہیں ہے بس اس کی سابقہ بیوی۔۔۔“

”اس کی بیوی؟ ہاں لیزا۔۔۔ جس نے آپ کے ساتھ مل کر اسے دھوکا دیا تھا اور شاید اسے مروایا بھی آپ نے ہی تھا اور اب مجھے لگتا ہے اسی کا خمیازہ بھگتنے کو آپ نے اپنی بیٹی مزید چند سالوں کے لیے اسے پیش کر دی۔ آہ میں یہ پہلے کیوں نہ سوچ سکی؟“ وہ حیرت سے گویا خود سے کہہ رہی تھی۔

”کیا بکواس کر رہی ہو بہار؟“ وہ سیخ پا ہوئے۔ بہار وہ سب کیسے جانتی تھی؟

”قانون پڑھا ہوا ہے بابا۔ ایسی چٹ پٹی کہانیوں پر گہری نظر رکھی ہوتی ہے اور اس کہانی نے پرسنی مجھے بھی ہرٹ کیا ہے تو کیسے نہ جانتی؟“ وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ سلطان عمر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

”کیا ہوا؟ کوئی وضاحت نہیں دیں گے اپنے اس عمل کی؟“ وہ پھر سے پوچھ رہی تھی۔

”حلیل کا پیغام آیا تھا کہ وہ تمہارے ساتھ اپنی شادی چلانا چاہتا ہے اور اسی بات پر تم دونوں راضی ہو۔ جو بھی فیصلہ کرو مجھے اس بارے میں اطلاع کر دینا۔“ اسے بند گلی میں چھوڑ کر وہ اسے کہہ رہے تھے جہاں مرضی جاؤ۔

”حلیل سعدی جھوٹ کہتا ہے۔“

”دوسری صورت میں تم لیام سے بھی پوچھ لو اگر تو وہ مذہب تبدیل کر سکتا ہے تو کرے ورنہ حلیل کے ساتھ نہیں بھی رہنا تو میں کسی دوسرے مسلمان سے تمہاری شادی کروا دوں گا۔“

”آپ کو میری شادی کی ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ دنیا بہت بڑی ہے اور مجھے کوئی بھی مل جائے گا۔ آپ ایسا کریں مجھے لیام جان کا ایڈریس سینڈ کر دیں میں اس سے مل لوں گی۔“ اس نے کسی بھی بات پر مزید تبصرہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

”وہ باہر گاڑی میں ہے۔ میں اسے بلواتا ہوں۔“

”واہ تو اب وہ بھی آپ کے ساتھ کام کرتا ہے انٹر سٹنگ۔ بہار خانم کی قسمت ہی خراب ہے۔“ سلطان عمر نے چند لمحے اپنی بیٹی کو دیکھا اور فون نکال کر اسے اندر بلایا۔ جب وہ اندر آیا تو سلطان عمر وہاں

سے چلے گئے تھے۔ بہار نے دور تک انھیں جاتے دیکھا تھا۔ کاش وہ ایک مرتبہ پلٹ کر اس کی دل جوئی کر جاتے۔ پھر سر جھٹک کر اس نے لیام کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اسے گھما پھرا کر اور تمہید باندھ کر باتیں کرنا نہیں آتا تھا اسی لیے سلام کے بعد وہ کام کی بات پر آئی۔

”تم جانتے ہی ہو کہ میں نے اپنے باپ سے تم سے شادی کا اظہار کیا تھا اور تم راضی تھے۔“
 ”لیکن اب تم کسی اور کی بیوی ہو۔“

”اس کسی اور کو میں ڈیل کر لوں گی۔ تم بتاؤ مجھ سے شادی کرو گے؟“
 ”اف کارس میں تم سے شادی کروں گا۔“ لیام جان کی خوشی سے ہانچیں کھل گئیں۔ بہار کو ایسا ہی لگا۔

”لیکن ایک سوال ہے کہ تم میرے لئے کیا کر سکتے ہو؟“

”جو تم چاہو۔“ جواب فوراً آیا۔ بہار کا دل خوشی سے دھڑکا۔ وہ اس کے لیے سب کچھ کر سکتا تھا۔ وہ حلیل سعدی اور اپنے باپ کے سامنے شرمندہ نہیں ہوگی۔ وہ ہاری نہیں تھی اور اس احساس نے اسے خوشی دی تھی۔

”انسان دوستوں کو چھوڑ کر شریف انسان بن سکتے ہو؟“ بہار نے پہلا سوال کیا۔

لیام جان نے تھوک نگلا۔ ”میں ایک شریف آدمی ہی ہوں بہار۔ میں مافیا کے ساتھ کام نہیں کرتا بس ایک لیگل ایڈوائزر ہوں۔“

”اور وہ کس کا؟“

”ترکیہ اور اٹلی کے ممتاز بزنس مینز کا۔“

”یعنی تم مافیا کو نہیں چھوڑ سکتے، گڈ! اپنا مذہب تبدیل کر سکتے ہو؟“ لیام نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”نہ؟“ وہ اچھنبے سے پوچھ رہا تھا۔ وہ یہودی مذہب سے تعلق رکھتا تھا اور یہودیوں کے لیے بھی اپنا مذہب اتنا ہی معتبر ہوتا ہے جتنا مسلمانوں کے لیے اسلام! وہ کسی صورت اپنا مذہب نہیں چھوڑتے لیکن جسے اللہ ہدایت دے۔

”کیا تم مسلمان ہو سکتے ہو؟“ لیام کے چہرے پر ایک سایہ سا آکر گزر گیا۔

”محبت میں مذہب کون دیکھتا ہے بہار؟“

”میں دیکھتی ہوں۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”ہم اپنے اپنے مذہب کو فالو کر کے بھی اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔“

”یعنی اس کا جواب بھی نہیں ہے۔“ بہار کا دل ٹوٹا تھا۔ اسے دکھ ہوا کہ ایک ایسا شخص اس کی محبت کا دعوے دار تھا جو اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

وہ پھر حلیل سعدی سے ہار گئی تھی اور یہ سبکی اتنی تھی کہ وہ لیام کا چہرہ نوچ لینا چاہتی تھی جس کی وجہ سے وہ اتنے سال اپنے باپ اور شوہر سے لڑتی رہی تھی۔

”صرف ایک ہی چیز ہے جس کے لیے تمہیں میرے ساتھ کمپرومائز کرنا ہوگا بہار اور وہ میرا مذہب ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں میرا مذہب کبھی تنگ نہیں کرے گا۔“ اور لیام جان نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا کہ بہار ایک غیر مسلم کی خاطر اپنے اللہ کو ناراض کرے گی؟

”تم اب جاسکتے ہو لیام۔ تمہارے وقت کا شکریہ۔“ وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی۔ چہرہ بے حد نارمل تھا۔ ہاں وہ اپنے تاثرات چھپا لیا کرتی تھی۔ اسے اچھی خاصی پریکٹس تھی۔

”بہار تم ٹھیک ہو؟“

”مجھے سبق دینے کا شکریہ لیام جان! تم نے مجھے سکھایا کہ کسی عورت کو کبھی بھی کسی مرد کی میٹھی گفتگو سے انسپائر نہیں ہونا چاہیے، یہ تباہی کی جانب ایک عورت کا پہلا قدم ہوتا ہے اور میں وہ عورت ہوں جو اس تباہی کے آخری سرے پر کھڑی ہے۔ اب تم جاسکتے ہو۔ مجھے تم سے شادی نہیں کرنی۔ شکریہ۔“ وہ اس کی بات سمجھ گیا تھا۔ وہ اسے غلطی کرنے سے روکنا چاہتا تھا لیکن اس نے زیادہ اصرار نہیں کیا۔ وہ بہار کو جانتا تھا ابھی وہ آرام سے کہہ رہی تھی لیکن اگلے ہی لمحے وہ چیختے ہوئے اسے نکال سکتی تھی۔ وہ اٹھا۔ اسے دیکھا اور پھر چلا گیا۔

لیام کے لاؤنج سے نکل جانے تک وہ اسی طرح، ایک ہی پوز میں، مسکراتے ہوئے بیٹھی رہی۔

اس نے لاؤنج پار کیا اور مرکزی گیٹ کی جانب بڑھ گیا۔ وہ گلاس وال کے پار اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ وہ غائب ہوا اور بہار کے چہرہ سفید پڑ گیا۔

”اللہ۔۔ اُس ٹو مچ۔“ اس کی آنکھیں گیلی ہوتی چلی گئیں۔ وہ گہرے سانس لینے لگی۔ لاؤنج کے چکر کاٹتے اسے اینگزائٹی اٹیک ہونے لگا۔ اف ابھی نہیں اینگزائٹی اٹیک پلیز ابھی نہیں! وہ اٹھی اور اپنے بیگ کی جانب بڑھی۔

اسی لمحے بہار نے ایک فیصلہ لیا تھا کہ وہ سلطان عمر، حلیل سعدی اور لیام جان کے ساتھ مزید اپنا وقت برباد نہیں کرے گی۔ وہ حلیل سعدی سے طلاق لے کر از میر تو کیا ترکیہ ہی چھوڑ دے گی۔ ان سب نے اسے کیا سمجھ رکھا ہے؟ باپ نے اسے بھائی کا کہہ کر بلیک میل کیا۔ لیام جان نے مذہب کو اڑ بنا کر اس سے شادی سے انکار کر دیا اور حلیل سعدی؟

حلیل سعدی بتاتا ہی تو نہیں تھا کہ اس نے کیوں بہار کا استعمال کیا۔ وہ اس کی زندگی کے دو سال لے کر اس کی پوری زندگی ضائع کرنا چاہتا تھا یا اس نے صرف اپنے بیٹوں کے لیے وقتی طور پر فل ٹائم ملازمہ کا انتظام کیا تھا؟ اس نے فوراً اپنے بیگ سے گولی نکال کر منہ میں رکھی۔

آنکھیں بہتی جا رہی تھیں۔

گلابی رخسار گیلے ہوتے گئے۔

بس بہت ہوا۔ اسے آج کے آج حلیل سعدی سے بھی ہر بات کلیئر کرنا تھی۔ وہ فون اٹھا کر اب حلیل سعدی کو کال ملا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اپنی آواز کو صاف کیا لیکن رونا بند نہیں کر سکی۔

دوسری ہی بیل پر کال اٹھالی گئی۔

”گھر آؤ۔“

”اور پھر تمہاری دونوں میٹنگز کیسی رہیں؟“ وہ اس کا حکم نامہ اگنور کر کے ہشاش بشاش انداز میں پوچھ رہا تھا یا شاید زچ کر رہا تھا۔ بہار کا دل کیا چلا کر روئے۔

”بہت اچھی رہیں اور اسی لیے میں چاہتی ہوں تم گھر آؤ تاکہ فائل اٹیک ہو اور میں سکون سے مر سکوں۔“ وہ اپنی جگہ پر شاید ساکت ہوا تھا کہ کئی لمحے کچھ بول ہی نہ سکا تھا۔

”اللہ اللہ یا اللہ اللہ بہار۔ کیا اول فول بول رہی ہو؟“ وہ خفا ہوا۔

”میں انتظار کر رہی ہوں۔“ وہ واقعی چلا چلا کر رو دینے کے قریب تھی۔ وہ سمجھ کیوں نہیں رہا؟ اتنا احساس سے عاری تو نہیں تھا کہ اس کے بلانے پر بھی نہ آئے۔

”میں بڑی ہوں۔“ اب کے پر سکون انداز میں کہا گیا۔

”تمام! میں از میر واپس جا رہی ہوں اور اب کہاں جاؤں گی تم تو کیا تمہارا باپ بھی مجھے نہیں ڈھونڈ سکے گا۔ خدا کی قسم اب میرے راستے میں آئے تو اپنے۔۔۔“ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ دنیا تباہ کر دے گی۔

”تمام تمام میں آتا ہوں۔“ وہ سمجھ گیا کہ اس وقت وہ شدید شاک میں ہے سو جلدی سے بات کاٹ کر کہا۔ آمنے سامنے بات کرنا بہتر رہے گا اور ویسے بھی وہ اتنی بری حالت میں تھی کہ مرنے کی باتیں کر رہی تھی۔ اسے بہار کے پاس ہونا چاہیے۔

دو گھنٹے بعد ہی وہ گھر پر تھا۔ دروازے کے قریب رک کر اس نے اسے دیکھا جو صوفے پر دونوں پاؤں اوپر کو کیے، گود میں کشن رکھے، کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھی۔ اسے حیرت ہوئی۔ وہ آگے بڑھا اور گلا کھنکار کر اسے متوجہ کرنا چاہا۔ وہ اپنا کوٹ اتارتے ہوئے اسے دیکھتا رہا لیکن اس نے حلیل کے آجانے کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔

کوٹ کو صوفے پر رکھا اور اس کی طرف آیا۔

”بہار تم ٹھیک ہو؟“ حلیل نے اس کے کندھے پر ہلکے سے ہاتھ رکھ کر اس سے پوچھا۔

وہ چونکی اور گردن اٹھا کر اسے دیکھا ایسے جیسے وہ نیند سے بیدار ہوئی ہو۔ اسے دیکھا اور پھر ناگواری سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ اس کی آنکھیں شدت سے رونے کی چغلی کھا رہی تھیں۔ حلیل کو کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔ کیا سلطان عمر نے پھر اپنی بیٹی کا دل دکھایا تھا؟ یا پھر لیام جان نے اسے ہرٹ کیا تھا؟ ان دونوں پر لعنت بھیج کر وہ پھر سے اس کے سامنے کھڑا ہوا۔

”تم روئی ہو؟“ وہ سینٹرل میز کے پاس کھڑا اس سے پوچھ رہا تھا۔

بہار اسے دیکھتے ہوئے کوئی جواب نہیں دے پائی۔ اس کا دل کیا اس شخص کو یکدم اچھا بنا دے۔ ایک شریف انسان جو کبھی انسان دوستوں کی دنیا سے تعلق رکھتا ہی نہیں تھا۔ وہ ایک عام ترک شہری ہو۔ وہ نائن ٹو فائیو جاب کر لے یا کوئی بزنس کر لے۔ بہار ہر جگہ اس کی سپورٹ کو حاضر ہوگی لیکن وہ اس دنیا کو خیر باد کہہ دے۔ خدا کے لیے وہ اچھا انسان بن جائے۔ وہ اسے ایسے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ کیا وہ ایک عام انسان بن سکتا تھا؟

”بہار؟“ حلیل نے اس کی نظروں کے سامنے ہاتھ ہلایا۔

”تم نے کس معاہدے پر سائن کروانے تھے؟“ وہ سنجیدگی سے گردن اٹھائے پوچھ رہی تھی۔ اس کے باپ کی رہائی سے بھی ایک معاہدہ جڑا ہوا تھا اور وہ اسی معاہدے کا پوچھ رہی تھی۔

”کیا کچھ ہوا ہے بہار؟“ وہ اب فکر مندی سے پوچھ رہا تھا۔ معاہدے والی بات تو کافی دنوں بعد ہونا طے پائی تھی۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور بالکل اس کے سامنے سینے پر ہاتھ باندھے جم گئی۔ حلیل نے ابرو اچکا کر پھر دریافت کیا کہ کوئی مسئلہ ہے؟

”تم نے میرا استعمال کیا۔“ اس نے حلیل کے سینے پر شہادت کی انگلی سے دستک دی۔ اس نے نظریں جھکا کر اپنے سینے پر رکھی اس کی انگلی کو دیکھا۔ اسے اس کی بات میں کوئی شک نہیں تھا۔

”میرے باپ نے مجھے ایمو شنل بلیک میل کیا۔ لیام نے میری محبت کو ٹھکرا دیا۔“ اب وہ اپنے سینے پر شہادت کی انگلی سے دستک دے کر کہہ رہی تھی۔

”تم سب دھوکے باز ہو۔ تم، میرا باپ، لیام جان اور تمہارے بچے۔ سب کے سب جھوٹے، مکار اور دھوکے باز ہو۔ تم سب بہار کے خلوص کے قابل نہیں تھے۔ میں بلیم گیم نہیں کھیل سکتی لیکن تم لوگوں نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ میرا ضمیر پچھلے دو گھنٹوں سے مجھے ملامت کیے جا رہا ہے حلیل۔۔۔ میری غلطی کیا تھی؟“ وہ آگے بڑھا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھنا چاہا اور وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹ گئی۔

”نہیں بالکل نہیں۔ اب مت کہنا کہ تم میرے ساتھ ہو یا مجھ سے کوئی ہمدردی رکھتے ہو۔ مجھے کسی کا ساتھ نہیں چاہیے۔“ وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ اسے کہاں سے واپس جوڑے؟ فی الوقت کوئی سرا نظر نہیں آتا تھا۔

”میں کافی بنا کر لاتا ہوں پھر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔“ اس نے نرمی سے کہتے ہوئے اس کا موڈ ٹھیک کرنا چاہا لیکن بڑے ہی غلط وقت میں غلط آفر دی تھی۔

”تم پیو کافی اور بیچ میں زہر بھی ملانا تا کہ میری زندگی میں کوئی ایک آسانی تو آئے۔“

”نسل استار سن (جیسے تمہاری مرضی)۔ تمہاری کافی میں بھی زہر ملانا ہے؟“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

”حلیل سعدی۔“ وہ جتنا زور سے چیخ سکتی تھی وہ چیخی تھی۔ عجب بے بسی تھی۔ وہ اس قدر تکلیف میں تھی اور ایک وہ شخص تھا جو کبھی اسے سیریس نہیں لیتا تھا۔ وہ اس کی بات کو مذاق میں اڑا رہا تھا۔ وہ اس کا قتل کر دینا چاہتی تھی۔

حلیل نے مسکراتے ہوئے کان کھجایا۔ آواز کانوں میں عجیب سائرن کی طرح بجی تھی۔

”ایوت بہار حانم؟“

”تم نے بابا پر ایسا کون سا احسان کیا تھا جو انہوں نے میری شادی تم سے کروائی؟“ وہ سچ جاننا چاہتی تھی۔ حلیل سعدی نے ایک لمحہ لیا اور سوچا کہ اسے بہار کو سب بتا دینا چاہیے یا نہیں؟ اگلے لمحے اس نے ایک فیصلہ لیا۔

”بیٹھو سب بتاتا ہوں۔“ وہ خاموشی سے کشن گود میں رکھ کر بیٹھ گئی۔ حکم بجالانے پر حلیل نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر کچن میں چلا گیا۔ وہ واقعی ٹھیک نہیں تھی۔

اوپن کچن غالباً سفید اور سرخ رنگ میں پینٹ کیا گیا تھا۔ گھر کی طرح کچن بھی امارات سے بھرپور تھا۔ اس نے فریج سے پانی نکالا اور گلاس میں انڈیل کر واپس آیا۔ اس سارے میں وہ بہار کو ہی دیکھ رہا تھا جو میز پر رکھے گلدان کو ایسے دیکھ رہی تھی جیسے نظروں سے ہی توڑ ڈالنا چاہتی ہو۔ وہ باہر آیا اور گلاس اس کی جانب بڑھایا جسے اس نے خاموشی سے تھام لیا۔ اس ہلکی سی صلح پر بھی وہ حیران ہوا اور سامنے صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔

”ہر انسان کی دو سائیڈز ہوتی ہیں بہار جیسے سیدھے کا الٹا ہوتا ہے، اچھے کا برا ہوتا ہے بالکل ویسے ہی مافیا انسان کی ڈارک سائیڈ ہوتی ہے یعنی ان کی ایک برائٹ سائیڈ بھی ہوتی ہے۔ یانی (یعنی) یہ اپنے اصولوں کے پکے ہوتے ہیں، فیملی کی بہت عزت کرتے ہیں، بچوں کو اور بے گناہ کو قتل نہیں کرتے۔ جب آپ کے ساتھ کوئی دوسرا نہیں ہوتا تو مافیا فیملی آپ کے ساتھ کھڑی ہوتی ہے بہار۔ یہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ یہ آپ کو کرائسز میں کبھی اکیلا نہیں چھوڑتے۔ دولت اکھٹی تو کرتے ہیں لیکن اس کا استعمال نہیں کرتے۔۔۔“

”میں نے تمہیں مافیا کو میرے سامنے ہیرو بنانے کے لیے نہیں کہا۔ مجھ سے میرے کام کی بات کرو۔“

گلاس پانی سمیت دبیز قالین کی زینت بنا تھا۔ حلیل سعدی کی نگاہوں نے بہار کی آنکھوں سے گلاس تک کا سفر کیا تھا۔ پھر سر جھٹک کر اس نے کہنا شروع کیا۔

”تمام تمام۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں بہار جو خود کو مافیا باس کہلاتے ہیں لیکن ان میں مافیا کے اندر رہنے کے گٹس نہیں ہوتے۔ تمہارے باپ کا نام نہیں لوں گا کیونکہ عقل مند کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے۔ وہ مافیا میں رہنے کا اہل نہیں ہے بہار۔ وہ جھوٹا ہے، اس میں کوئی ایتھکس نہیں ہیں۔ وہ منکی بزنس کرنے میں ماہر ہے یعنی وہ مافیا کو بھی چیت کرتا ہے۔ وہ ہم سے چھپ کر بھی ہزار کام کرتا ہے۔ اس نے بہت سنگین اصول توڑے ہیں۔ بہار! تمہارا باپ مافیا تو کیا انسان بھی نہیں بن سکا۔ اس نے میری بیوی کو مروایا، میرے بچوں سے ان کی ماں چھینی۔ اس نے لیام کو مروانا چاہا کیونکہ وہ تم سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ اس کے پاس عیش کا بہت سامان ہے بہار۔ یہ انتہائی بے غیرتی کی علامت ہے میں ایک بیٹی کے سامنے اس کے باپ کا کردار اچھال رہا ہوں لیکن تم سمجھو کہ میں ایسا ہی بے غیرت ہوں۔ میرے اندر اخلاقیات کی کمی ہے۔ بہر حال میں نے تمہارے باپ کو کبھی معاف نہیں کیا تھا لیزا کے قتل کے لیے۔ اس لیے نہیں کہ مجھے اس سے بہت محبت تھی۔ اس لیے کہ اس نے میرے بچوں سے ان کی ماں چھینی ہے، وہ زندہ ہوتی تو میں اسے بچوں سے ملنے سے کبھی نہ روکتا۔ میرے بچے صرف تمہارے باپ کی وجہ سے اپنی اصل ماں سے جدا ہوئے ہیں۔ تم ان کے لیے لیزا سے بڑھ کر ہو بہار لیکن وہ دونوں جانتے ہیں اصل ماں کون ہے؟ بہر حال یہ میرا مسئلہ ہے اور جن احسانوں کی سلطان عمر بات کر رہا ہے تو ان میں سے ایک یہ کہ میں نے اس کو امریکی مافیا سے بچایا تھا کیونکہ لیزا کا پورا خاندان اسے قتل کرنے کے در پر تھا کیونکہ وہ بھی ایک مافیا خاندان کا حصہ تھی۔ وہ سلطان عمر کو کسی قیمت پر بخشنے پر تیار نہ تھے، تمہارے باپ کی خوش قسمتی کہ وہ مسئلہ میں نے حل کیا کیونکہ نقصان سب سے زیادہ میرا ہوا تھا جسے میں خود بڑھوں گا۔ جن احسانوں کی سلطان عمر بات کر رہا ہے ان کی فہرست میں دوسرا یہ کہ تمہارا بھائی میری پروٹیکشن میں ہے یعنی وہ امریکہ میں اچھی تعلیم حاصل کر

رہا ہے۔ کبھی بھولے سے بھی مجھے یہ مت کہنا کہ تمہیں اپنے بھائی سے ملنا ہے۔ وہ دن براق ایمرے کا آخری دن ہوگا۔ میں مزید کسی بچے کو حلیل سعدی بنتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتا۔“ وہ کہتا جا رہا تھا اور بہار اس دوران نارمل ہو کر اپنے ازلی سنجیدہ موڈ میں آچکی تھی۔ اس کی کسی قسم کی وضاحت نے اسے ایفیکٹ نہیں کیا تھا۔ اسے باتیں ایفیکٹ کر ہی نہیں سکتی تھیں۔ وہ اب اپنے خول میں اچھے سے چھپ گئی۔ کچھ دیر پہلے کی توڑ پھوڑ اب اس کے دل میں دور کسی کونے میں جا بند ہوئی تھی۔

”تمہاری زندگی میں ایسا کیا ہوا ہے جس کی وجہ سے تم آج تک ٹھیک سے مسکرا نہیں پائے حلیل سعدی؟“ وہ مسکرا کر پوچھ رہی تھی۔ حلیل سعدی چونک سا گیا۔ غور سے بہار کو دیکھا۔ وہ کیا بات کر رہے تھے؟

”نہ؟“ اس نے بے یقینی سے بہار سے پوچھا۔

وہ بغیر پلک جھپکائے اسے دیکھتی رہی۔ کہا کچھ بھی نہیں۔ وہ لڑکی اتنی بے یقینی دلا جاتی تھی کہ انسان کو اپنے ہونے پر ہی شک ہونے لگتا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ بھی مسکرا دیا۔ وہ بہار کو انڈر ایسٹیمیٹ کر کے اچھا نہیں کرتا تھا۔ اس نے تسلیم کیا۔

”تمہیں کیا لگتا ہے؟“ وہ مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔

”تم نے کوئی سنگین جرم کیا ہے۔“ وہ واقعی سنبھل چکی تھی۔

”اور تمہیں کیا لگتا ہے حلیل سعدی اتنا بے وقوف ہے؟“

”مجھے اتنا ضرور معلوم ہے حلیل سعدی کہ مافیا باس یا ڈان وٹو بننے کے لیے انسان کا انتہائی ظالم ہونا ضروری ہوتا ہے اور میں تم نے کبھی ایسی کوئی وائلیشن نہیں کی۔ تمہیں اپنی دھوکے باز، مری ہوئی بیوی کی اس قدر فکر ہے کہ تم میرے باپ کو معاف نہیں کر سکتے۔ تم اپنے بچوں کے لیے حد درجے پوزیسو ہو اور تم کسی کو جان بوجھ کر تکلیف نہیں دیتے۔ تم۔۔۔“

”اور تمہیں کیا لگتا ہے حلیل سعدی ایسے کام تمہیں بتا کرتا ہوگا؟“

”تم نے کبھی کوئی نشان بھی نہیں چھوڑا۔“ وہ ڈٹی رہی۔

”اور تمہیں یقین نہیں ہو جانا چاہیے کہ میں کافی سمارٹ ہوں؟“ پیچھے وہ بھی نہیں ہٹا۔

”امم ہم۔۔۔ تم مافیا نہیں ہو سکتے تم کچھ اور ہو حلیل سعدی۔“ یہ شک کا پہلا بیج تھا جس کا بہار نے باقاعدہ اعلان کیا تھا اور حلیل سعدی نے اسے ہنس کر ٹالا تھا۔

”جیسا کہ دو بچوں کا باپ۔“ وہ رکا اور اسے غور سے دیکھا۔ ”اور ایک بیوی کا شوہر۔“ وہ لفظوں کے جال نہیں بن سکتا تھا۔

”نہیں تم کوئی ایجنٹ ٹائپ ہو۔ کب آتے ہو کب جاتے ہو معلوم ہی نہیں پڑتا۔“ وہ الفاظ کی ہیرا پھیری کا ہنر رکھتی تھی۔

”ایک سرکاری ایجنٹ بننے کا مجھے کیا فائدہ ہے بہار؟ چلو ایک لمحے کے لیے مان لیا کہ میں ایک سرکاری ایجنٹ ہوں پھر یہ شان و شوکت والی زندگی تو میں صرف خوابوں میں ہی سوچ سکتا تھا۔ اگر میں وہ ہوتا جو تم کہہ رہی ہو تو میرے بچے کسی سرکاری کرائے کے کواٹر میں ہی پل رہے ہوتے۔ اسی

لیے میں نے تمہیں بتایا ہے مافیا فیملی آپ کو بہت فائدہ دیتی ہے۔ دو چار قتل کے بدلے اتنی عیش تو بنتی ہے ناں؟“ وہ لاپرواہی سے کہہ رہا تھا۔

بہار اسے دیکھ کر رہ گئی۔ کوئی طلسم سا ٹوٹا۔ اسے کوئی خوف خدا کیوں نہیں تھا؟ وہ کیوں نہیں سمجھتا تھا کہ قتل ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ اس کی معافی مشکل سے ملتی ہے؟ وہ اتنی مشکل باتیں اتنی آسانی سے کیسے کر لیا کرتا تھا؟

اس نے خود کو ریلکس کیا۔ ”تم نے مجھ سے شادی کیوں کی تھی؟“
 ”سچ بتاؤں؟“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا۔

وہ اسے دیکھے گئی۔ کاش سائیکالوجی پڑھی ہوتی۔ اس نے حسرت سے سوچا۔

”پہلے چاہتا تھا تمہارے باپ سے بدلہ لوں۔ تمہیں تکلیف دوں اور کوئی آزادی نہ دوں۔ تمہارے معاملے میں ٹیپیکل ترکش شوہر بن جاؤں جیسا کہ از میر کے لوگ مجھے دیکھنا چاہتے ہیں لیکن یہ دل بڑا بے وفا ہے بہار۔ تم سے کبھی بدگمان ہی نہیں ہوتا۔ محبت بھی نہیں کرتا اور تمہارا عادی بھی ہے۔ تم نے میرے گھر آنے کے بعد جس شفقت سے میرے بچوں کو چوما تھا مجھے احساس ہوا تھا کہ تمہارے ساتھ کچھ غلط کروں گا تو ساری زندگی ضمیر کی قید میں رہوں گا۔ تم وفادار رہیں تو ٹھیک ورنہ عورت ذات پر میں ویسے ہی اعتبار نہیں کرتا۔ پہلے ماں نے چھوڑ دیا اور پھر لیزا نے۔“

وہ کہہ نہیں سکا کہ اسے بہار کے چھوڑ جانے سے ڈر لگتا ہے۔

اور وہ بھی پوچھ نہیں سکی کہ جو سب وہ کہہ رہا ہے وہ کیا کیوں نہیں؟

”میں نے سلطان عمر سے تمہارے ذریعے بدلہ لینے کا پلان بھی کینسل کیا جب مجھے احساس ہوا اسے تمہاری تکلیفوں سے فرق نہیں پڑتا۔ یہ تمہاری بد قسمتی ہے کہ تم سلطان عمر کی بیٹی ہو لیکن اچھی عورت ہو۔ مجھے بہت تجربہ تو نہیں لیکن میری ماں کہتی تھی جو عورت اپنے شوہر کے پیچھے اس کے گھر کی حفاظت کرتی ہے وہ بہترین ہوتی ہے۔ تم دنیا کی بہترین عورتوں میں سے ہو بہار اور میں تمہیں طلاق نہیں دینا چاہتا۔ اگر تم کیس کو کورٹ میں گھسیٹنا چاہتی ہو تو بھی سوچ لو۔ بار بار سوچ لو۔ اس سے ہم دونوں کو بہت بھاری نقصان ہوگا۔“ وہ کہہ رہا تھا اور وہ مبہوت سی اسے سن رہی تھی۔ آخری بات نے ساری گفتگو کا مزہ کرکرا کر دیا تھا۔ ہونہ بد ذوق انسان!

”مجھے افسوس نہیں ہوا حلیل سعدی اور شاک تو بالکل بھی نہیں۔ تم مافیا کے لوگ ہوتے ہی گھٹیا اور بے غیرت ہو۔ مت دو مجھے طلاق، مجھے چاہیے بھی نہیں۔ زندگی میں ایک تجربہ کافی ہوتا ہے سیکھنے کے لیے اور میں نے سیکھ لیا۔ صحیح کہا تم نے اور اچھا ہی کرتے ہو جو عورت ذات پر بھروسہ نہیں کرتے اس سے تمہارا دل ٹوٹنے سے بچ جاتا ہے۔ میں ہی بے وقوف اور جاہل تھی جو تم مردوں پر اعتبار کرتی رہی۔ تف ہے مجھ پر۔“

اپنی کرنے پر آتے تو وہ دونوں دنیا کے سب سے بڑے racist بن جاتے۔ ایک masculinist اور دوسرا feminist بن جاتا تھا۔ ایک مشرق اور دوسرا مغرب ہوتا۔ ایک پانی اور دوسرا آگ ہوتا۔

”اب تم اور سلطان عمر دیکھو گے کہ ساوجی بہار کون ہے؟ اب ترکیہ کے لوگ تم دونوں کے اصلیت جانیں گے اور یہ بہار سلطان کا وعدہ ہے۔“

”سیریلی؟“ وہ محفوظ ہوا۔ ”میں تو ڈر گیا۔ اس کے بعد کیا کرو گی؟“ وہ ہنستے ہوئے پھر سے اسے آگ لگا گیا جس کا دھواں دور تک اُٹھا تھا۔

”حلیل سعدی تم کتے کی موت مرو گے۔“ وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ ہنستا جا رہا تھا۔

”غلط کتے سے بھی بری۔“ اسے اپنا انجام معلوم تھا سو درستی کرنا بہتر سمجھا۔

تف ہے تم پر بہار! اس کے دل میں اگر حلیل سعدی کے لیے کوئی ہمدردی کا جذبہ تھا بھی تو آج وہ ختم ہو چکا تھا۔ کوئی محبت تھی بھی تو وہ اس پر لعنت بھیج دینا چاہتی تھی۔

”انشاء اللہ!“ وہ عزم سے بولی اور اپنا بیگ صوفے سے اٹھا لیا۔

وہ سنجیدہ ہوا۔ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ وہ جا رہی تھی۔ وہ اسے روکنا چاہتا تھا شاید ساری زندگی کے لیے۔

”کیا ہم ساتھ نہیں رہ سکتے؟ جو کہو گی وہ کروں گا۔“ اس نے اس لمحے اپنے الفاظوں کو بنا سوچے سمجھے استعمال کیا تھا اور کیا خوب کیا تھا۔

وہ اسے روک چکا تھا۔

بہار نے حیرت سے اسے دیکھا اور پھر دیکھتی ہی رہی۔ کیا تھا آج حلیل سعدی کی نیلی آنکھوں میں جو پہلے نہیں تھا؟ کیا یہ منت تھی یا پھر محبت؟ ارے نہیں اسے محبت کیسے ہو سکتی ہے؟ اسے تو عورتوں پر یقین ہی نہیں شاید وہ ان ڈائریکٹلی مجھے بتا رہا ہے اسے مجھ سے محبت ہے۔ نہیں۔۔۔ نہیں ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ اس نے سر جھٹکا۔

”مافیا کا ساتھ چھوڑ دو۔“ اسے خود سے جڑے مردوں سے صرف اتنا چاہیے تھا کہ وہ ایک شریف انسان بن جائیں۔ بس اتنی سی خواہش تھی کہ وہ نارمل انسانوں جیسی زندگی گزارے۔

”یعنی تم کہہ رہی ہو تمہیں چننے کے لیے اپنی دوسری فیملی کو چھوڑ دو؟“

”شاید ایسا ہی کہا ہے۔ کبھی کبھی زندگی میں ایسے بولڈ فیصلے لینے پڑتے ہیں۔ کسی ایک کو چھوڑ دو تمہاری زندگی آسان ہوگی۔“ وہ اب ایمو شنل ڈیج سے نکل چکی تھی۔ اس نے اپنا بیگ واپس رکھ دیا شاید کوئی درمیان کا راستہ نکل ہی آئے۔

”زندگی تو کسی کی بھی آسان نہیں ہوتی۔ ہر کوئی اپنے حصے کی جنگ لڑ رہا ہے میں بھی اور تم بھی۔ کیا ہم دونوں کچھ قربانی نہیں دے سکتے؟“

”یانی؟“ وہ سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

”تم رک جاؤ، میں بھی اپنی مصروفیات کم کر دوں گا۔“ بہار خوشگوار حیرت سے نہیں نکلی تھی۔

”اور مافیا؟“ وہ اسی انداز میں پوچھ رہی تھی۔

”کوشش کروں گا۔ امید ہے جلد سب وائسٹ اپ کروں۔“

”تم وعدہ کر رہے ہو؟“

”نہیں میں کوشش کروں گا۔“ وہ اسی انداز میں بولا۔ بہار نے گہرا سانس لیا۔

”تمام حلیل بے! میں بھی اس بارے میں سوچوں گی۔“

”تشکر ایدرم بہار حانم۔“ وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

”آجاؤ کھانا کھائیں۔“

صوفے پر سے اپنا بیگ اٹھاتی بہار نے حیرت سے پلٹ کر اسے دیکھا۔

”کیا کہا؟“ اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

”کھانا کھا کر جاؤ۔“ اس نے بھی شان بے نیازی سے کہا اور کچن میں چلا گیا۔

”کیا یہ یہاں پارٹ ٹائم شیف ہے؟“ وہ بڑبڑاتے ہوئے اس کے پیچھے کچن میں آئی۔ چھوٹا سا نفیس کچن جدید ٹیکنالوجی سے لیس تھا۔

”مجھے لگتا تھا تم میں اخلاقیات کا شدید فقدان ہے لیکن پہلے پانی دے کر، کافی کا پوچھ کر بنائے بغیر کھانے کا پوچھ کر تم نے مجھ پر اچھا تاثر چھوڑا ہے۔ اچھی کوشش ہے حلیل بے۔“ وہ ابھی بھی کچن کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ از میر والے گھر کے کچن کا انٹیریر بھی ایسا بنا لیتے ہیں۔ اس نے سوچا۔ پھر وہ رکی۔ کیا وہ اس کے ساتھ رہنے کے لیے تیار ہے؟ خیر ہے بعد میں دیکھا جائے گا۔ وہ اوون میں ایک باؤل رکھ کر اسے آن کر کے اس کی جانب پلٹا۔

”مجھے بھی لگتا تھا کہ تم باقی لڑکیوں جیسی ہو لیکن تم تو خالص ترک نکلیں بہار۔ تم سلطان عمر کی بیٹی ہو لیکن تمہارا دل صاف کیوں ہے؟ ناجانے کیوں تم سے کبھی بدلہ لینے کا دل ہی نہیں کیا جیسے ہم انسان دوستوں کی دنیا میں ہوتا ہے کہ اگر کسی نے تمہارا نقصان کیا ہے تو اس کی فیملی سے کسی کا نقصان کر دو یعنی اس کے پیاروں میں سے کسی ایک پیارے کی موت۔ تم مجھے تب بھی بری نہیں لگی جب مجھے

معلوم ہوا تھا کہ لیزا کو سلطان عمر نے مروایا ہے اور اس کی اپنی بیٹی بھی ہے۔ بدلہ لینے کا دل بھی کیا لیکن اس سے آگے کچھ کر ہی نہیں سکا جب تمہیں جانا۔ خود پر تمہارا دبئی والا تاثر قائم رہنے دیا۔ تمہارا باپ لیزا کے ساتھ انوالو تھا اور تمہاری ماں۔۔۔“

”تمام تمام۔۔۔ میں سمجھ گئی کہ تم انتہائی ال لیگل انسان ہو۔ کسی کی پرائیویسی میں گھستے ہوئے شرم بھی نہیں آتی تمہیں؟“ وہ آئیلنڈ کی کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گئی۔ وہ اس کے سامنے ہی کاؤنٹر ٹاپ کے دوسری جانب کھڑا پلیٹوں میں پاستہ نکال رہا تھا۔ کن اکھیوں سے اسی کی جانب متوجہ تھا۔ بہار بے چینی سے اپنی گردن پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ وہ جن تھا جن! اسے ہر بات معلوم ہوتی ہے۔ بس وہ اپنی ماں کے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

”میں تمہیں غیر آرام دہ نہیں کرنا چاہ رہا۔ بس میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ رہو۔“ پاستہ کی پلیٹ اس کے سامنے رکھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔ بہار نے پاستہ کی جانب دیکھا تک نہیں۔

”تم میرے بارے میں سب جانتے ہو حلیل اور یہ چیز مجھے زندگی میں ہمیشہ ان کمفرٹبل کیے رکھے گی۔ جب تک میں تمہارے بارے میں سب کچھ نہیں جان لیتی تب تک میں کوئی فیصلہ نہیں لے سکتی۔“

”میرا باپ بھی مافیا تھا اور تمہارا باپ بھی مافیا ہے۔“ وہ گھوم کر اس کے ساتھ رکھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور گلاس میں پانی ڈال کر اس کی جانب بڑھایا۔ پھر پاستہ کا چچج بھر کر منہ میں ڈالا اور اسے چبانے تک خاموش رہا۔

”بچپن سے دماغ میں یہی ڈالا گیا تھا کہ مافیا بہت طاقت ور ہوتے ہیں۔ اگر دنیا کو فتح کرنا ہے تو مافیا بنو۔ میں اسی تھاٹ کے ساتھ پروان چڑھا تھا۔ میں بڑا ہوتا گیا اور ایک دن مافیا بن گیا۔ اس دنیا میں سب کچھ گرے ہے۔ کوئی اندر باہر سے ایک سا نہیں ہے بہار! جب مجھے مافیا کے اندر کی حقیقتیں پتہ چلیں تو احساس ہوا کہ یہ سب میرے لیے نہیں تھا لیکن میں اپنے ہاتھ اس گناہ سے گندے کر چکا تھا۔ ایک خواہش جو شدت سے مجھے محسوس ہوتی ہے وہ یہ کہ کاش میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔“ وہ خاموش ہوا اور پھر پاستہ کھانے لگا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس کی پلیٹ ان چھوٹی رکھی ہوئی تھی۔ وہ اس کے مزید بولنے کی منتظر تھی۔

”میں انسان دوستوں کو نہیں چھوڑ سکتا بہار۔ یہ میری رگوں میں بستے ہیں لیکن میں وہ کر رہا ہوں جو کر سکتا ہوں۔“

”تم دنیا میں کئی لوگوں کی نظر میں ولن ہو اور چاہتے ہو میں تمہیں ہیرو سمجھوں؟ کتنا بڑا تضاد ہے۔“ وہ بڑے غور سے اسے پڑھ رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کاش سائیکالوجی پڑھی ہوتی تو حلیل سعدی کا چہرہ پڑھ لیتی۔

حلیل سعدی نے گردن بائیں جانب موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ اس کے بہت قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اس کے ساتھ بہت عرصے بعد بہت کمفرٹبل محسوس کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وہ اپنی محبت دیکھ سکتا تھا لیکن وہ اسے اپنی محبت جتا نہیں سکتا تھا۔ اس نے سر جھٹکا اور کہنے لگا۔

”ہیرو مت سمجھو، انسان سمجھو۔ بہت غلطیاں کرنے والا انسان، ایک گناہ گار انسان، ایک ابنارمل انسان، کچھ بھی سمجھ لو لیکن انسان سمجھو۔ فرشتہ بنانے کی کوشش مت کرو۔“

”تم نے آج تک کون کون سے جرائم کیے ہیں؟“

”کیا کانفیس کروانا چاہتی ہو؟ تمہیں کچھ بھی ال لیگل معلوم نہیں ہوگا جب تک میں نہ چاہوں، ٹرسٹ می۔“ وہ ہنسا۔ بہار اسے دیکھے گئی۔ حلیل سعدی جانتا تھا وہ اسے ایسے دیکھ رہی ہے جیسے آخری مرتبہ ہو اور اسے بہار کا خود کو دیکھنا بھلا معلوم ہو رہا تھا۔

”بہار کھانا کھاؤ پھر گھر چھوڑ کر آتا ہوں۔“ وہ حال میں واپس آئی۔

”یہ بھی تو گھر ہے۔ میں رات یہاں کیوں نہیں رہ سکتی؟“

”وہ میرا گھر ہے اور یہ گھر ترک انسان دوستوں کے لئے سرائے کی طرح ہے۔ ایک ایسا گھر جہاں خوش قسمتی سے پولیس ایک وقت میں کئی انسان دوستوں کو پکڑ سکتی ہے اگر انہیں ٹائمنگ معلوم ہو جائے۔“

”تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟“ وہ اب مشکوک سے انداز میں پوچھ رہی تھی۔ وہ اسے کلیو کیوں دے رہا تھا؟ وہ اسے اتنی اہم بات کیوں بتا رہا تھا۔

”خاموشی اور سکون سے کھانا ختم کرنا چاہ رہا ہوں، تم بھی کھاؤ۔“ بہار نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ ”مجھے لگا کہ یہ کھانا تم نے خود بنایا ہوگا لیکن ناجانے کونسے گندے مافیا کے ہاتھوں سے بنا کھانا ہو اور تم یقیناً اس میں زہر ملا کر لائے تھے تاکہ میں کھاؤں اور تمہارا راستہ صاف ہو۔ یہ انسان دوستوں کے ہاتھوں کا بنا پاستہ تمہیں ہی مبارک ہو حلیل سعدی۔ میں چلتی ہوں۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کا

کھانا بغیر چھوئے وہیں پڑا رہا۔ وہ ہکا بکا سا پلٹ کر اسے لاؤنچ سے اپنا بیگ اٹھاتے اور پھر اس گولائی میں بنے لاؤنچ سے باہر جاتے دیکھ سکتا تھا۔

”اللہ اللہ یا اللہ اللہ! میں اس کے کھانے میں زہر ملاؤں گا؟۔۔۔ میں؟“ وہ بے حد خفگی سے بڑبڑاتے ہوئے اسے پکچن کے سامنے لگی گلاس وال سے گاڑی میں بیٹھتا ہوا دیکھ سکتا تھا۔ وہ بھی اپنی پلیٹ کھسکا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ کوئی جادو سا ختم ہوا تو وقت پھر سے چلنے لگا۔ کچھ وقت کے لیے ہی سہی اس کے لیے وقت تھم گیا تھا۔

لاؤنچ میں آنے تک اس کا موڈ بگڑ چکا تھا۔

اسے بھی انسان دوستوں کے ہاتھوں کا بنا کھانا بد مزہ لگنے لگا تھا۔

بھاگتے ہوئے قدموں کی چاپ دور تک سنائی دے رہی تھی۔ رات کے تیسرے پہر اس خالی سڑک پر ایک کالے ہیولے کو بھاگتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔

وہ اپنی کار میں بیٹھی اسے سامنے سے آتے ہوئے دیکھ سکتی تھی۔ سامنے سے آتے کاغان نے ہاتھ ہلایا اور اس کی کار میں آکر بیٹھا۔

”مرحبا ساوجی! آپ نے جو ڈاکو منٹس مانگے تھے وہ سب یہاں موجود ہیں۔“ اس نے چھوٹی انگلی کے برابر کی ایک ڈرائیو اس کی جانب بڑھائی۔

”لیکن مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ آپ اپنے کلائنٹ کو ڈبل کر اس کیوں کر رہی ہیں؟ آپ کی حلیل سعدی سے کوئی ذاتی دشمنی ہے؟“

”کاغان بے! وقت سے پہلے باتیں بتانے سے بہت سے معاملات خراب ہو جایا کرتے ہیں۔ میں تمہیں بتاؤں گی کہ میں کیا کر رہی ہوں لیکن ابھی کے لیے صرف تم حلیل سعدی پر نظر رکھو گے۔“

”یہ ناممکن ہے۔“ مزید سوال کرنے کے بجائے اس نے اپنی پراگریس بتائی۔

”کیوں؟“

”وہ آندھی کی صورت آتا ہے اور طوفان کی مانند جاتا ہے اور پھر جنوں کی طرح غائب ہو جاتا ہے۔“

”تمہیں لگ رہا ہے رات کے اس پہر میں تمہارے مذاق میں انٹرسٹڈ ہوں؟“ وہ بہت سختی سے پوچھ رہی تھی۔

”بہار خانم! ابھی تو آپ یہ سب کر لیں گی لیکن وہ آپ کو چھوڑے گا نہیں۔ اسے ویسے ہی عورتوں سے نفرت ہے۔“

”کاغان کبھی کبھی تم مجھے الجھا دیتے ہو۔ Don't try to be my boss، میں جو کر رہی ہوں مجھے معلوم ہے۔“ اس نے کاغان کو جانے کا کہا۔

”وکیل بننے کا اصول نمبر دو۔۔۔ ٹیم ورک از بیسٹ ورک۔ میں ہر انویسٹی گیشن میں آپ کے ساتھ ہوں۔“ وہ اسی کا پڑھایا ہوا سبق اسے ہی بتا رہا تھا اور ساتھ ہونے کی یقین دہانی کروا رہا تھا۔

”قانونی پیشہ ور افراد کسی وکیوم میں کام نہیں کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ سولو پر یکٹیشنرز کو بھی خدمات کی فراہمی کے لئے معاون عملہ اور ٹیم کے ساتھ شریک مشیر، ماہرین پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ ٹیم ورک انفرادی اور تنظیمی کامیابی کا لازمی حصہ ہوتا ہے کیونکہ ٹیم ورک کی مہارتوں میں دوسروں کے ساتھ مشترکہ اہداف تک پہنچنے کے لئے تعاون کے ساتھ معلومات اور معلومات کو ہم آہنگی اور اشتراک کرنا شامل ہیں۔ آپ کو ساتھیوں اور مؤکلوں کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کے قابل ہونا چاہئے۔ ٹیم ایونٹس، میٹنگز اور کانفرنسوں میں شرکت زیادہ سے زیادہ کرنی چاہیے۔۔۔“ وہ جیسے تازہ تازہ رٹا لگا کر آیا تھا۔

”ہو گیا؟“ اس نے بیزاری سے پوچھا۔ وہ مسکراتے ہوئے سر ہلا کر کار سے نکل گیا تو اس نے بھی مسکرا کر کار آگے بڑھا دی۔ کچھ اسٹوڈنٹس دل کے بہت قریب ہوتے ہیں اور کاغان ان میں سے ایک تھا۔ وہ اس کا فیورٹ اسٹوڈنٹ تھا۔

کار اس سڑک سے آگے بڑھ گئی۔

سڑک پر کاغان اکیلا کھڑا رہ گیا۔

وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کافی دیر اسی جانب دیکھتا رہا جہاں سے بہار کی گاڑی گئی تھی۔

اس کا چہرہ سنجیدہ ہوا اور اس نے جیب سے فون نکال کر ایک نمبر ڈائل کیا۔

”وہ آپ کی وکیل ہو کر آپ کے خلاف ثبوت اکٹھے کر رہی ہیں۔“ اس نے بتایا۔

”وہ صرف مجھے اتنا بتاتی ہیں جتنا وہ بتانا چاہتی ہیں۔“ دوسری جانب سے پھر کچھ کہا گیا۔

”وہ کسی اور کے ساتھ کام کر رہی ہیں حلیل بے۔ کوئی ایسا جسے کوئی نہیں جانتا۔“ اس نے فون بند کر دیا اور سڑک پر مڑ گشتی کرتے اپنی راہ ہو لیا۔

وہ بہار کا اسٹوڈنٹ تھا لیکن حلیل کے ساتھ کام کرنے کا اپنا ہی مزہ تھا۔
وہ حلیل سعد کا بندہ تھا جسے بغیر کسی دقت کے سلطان عمر کے ولا تک رسائی حاصل تھی۔
ہر کوئی آزاد ہے اپنے فیصلوں میں۔

ہر کوئی آزاد ہے کہ وہ فیصلہ کر سکے کہ اسے کس کے ساتھ کام کرنا ہے۔
کاغان بھی ایک آزاد شہری تھا۔
وہ بھی اپنا فیصلہ لے چکا تھا۔

وہ بھی بہار کو دھوکہ دینے کے لیے تیار تھا۔

وہ آج پھر گلا میولیوی ہاؤس میں موجود تھی۔ صوفی سیما جاری تھا اور وہ ناضرین کی آخری صفوں میں سے ایک پر بیٹھی ہوئی تھی۔ کالے رنگ کی سادہ شرٹ اور پینٹ کے ساتھ آج اس نے سر پر چھوٹا سا سرخ رنگ کا سکارف باندھ رکھا تھا اور آنکھوں پر بھورے گاگنز بھی چڑھا رکھے تھے۔ کانوں میں سیاہ ہیرے کے نفیس سے ایر رنگز بھی ڈال رکھے تھے جو کبھی سلطان عمر نے برازیل سے لا کر اسے گفٹ کئے تھے۔ چہرے پر نرم سا تاثر تھا شاید وہ سیما کو انجوائے کر رہی تھی۔

اسے رومی کی یہ روایت بہت پسند تھی۔ وہ اس طریقے سے متاثر نظر آتی تھی حالانکہ اس نے سن رکھا تھا کہ یہ عام لوگوں کی خود ساختہ عبادات کا طریقہ ہے لیکن وہ کہتی تھی خدا سے محبت کا کوئی ایک طریقہ تو نہیں ہوتا۔ خدا سے محبت تو بس ہو جایا کرتی ہے۔

کوئی رومی کے ہی اشعار پڑھ رہا تھا اور وہ غور سے سن رہی تھی۔

خدایا رحم کن بر من، پریشاں وارمی گردم

خطا کارم گنہگارم، بہ حال زارمی گردم

(اے خدا مجھ پر رحم کر کہ میں پریشان حال پھرتا ہوں، خطا کار ہوں، گنہگار ہوں اور اپنے اس حال زار کی وجہ سے ہی گردش میں ہوں۔)

اسے محسوس ہوا کہ کوئی اس کی سیدھ میں اس ہال کے دوسرے کنارے آکر بیٹھا تھا۔ بہار نے ایک نظر اسے دیکھا اور آنکھیں دوسری جانب کر لیں۔ وہ انھیں کا انتظار کر رہی تھی۔

اس نے کان میں موجود ایر پیس سیٹ کیا اور نظریں رقص کرتے صوفیوں پر مرکوز تھیں۔

”کیا سچ میں مجھ پر حملہ حلیل سعدی نے کروایا تھا؟“ وہ تیسری اور آخری مرتبہ اپنی یقین دہانی کے لیے triple check بھی کروا چکی تھی۔

”لیام سچ کہہ رہا تھا بہار۔“ اسے ایر پیس پر سنجیدہ اور باوقار سی نسوانی آواز سنائی دی۔ اس نے گردن موڑ کر اس عورت کو دیکھا جیسے نظروں سے یقین دہانی چاہتی ہو لیکن وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھیں۔

”میں اس کا کیس اب نہیں لڑوں گی۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”تم کیس کے اہم موڑ پر ہار نہیں مان سکتی بہار، صرف چند سال مزید اور ہم حلیل سعدی کے ذریعے ڈان وٹو تک پہنچ جائیں گے۔“

”یاد رکھیے گا حلیل سعدی کو سزا میں دوں گی۔ وہ میرا مجرم ہے۔“ وہ بھی آہستہ آواز میں کہتی ہوئی سامنے دیکھ رہی تھی۔ اس عورت نے اثبات میں سر ہلایا۔

ڈان وٹو کے بدلے حلیل سعدی کا کیس بہار کو دینا کوئی برائی تھی۔ وہ تیار تھیں اس سودے بازی کے لیے۔ وہ پوری طرح تیار تھیں!

وہ عورت سامنے سے اٹھ کر چلی گئی اور بہار صوفی رقص مکمل ہونے تک وہیں بیٹھی رہی اور جب سب لوگ اٹھ کر جانے لگے تو وہ دھیرے سے چلتی ہوئی اس جانب گئی جہاں وہ عورت کچھ دیر پہلے بیٹھی تھی۔ اس نے سیٹ کے نیچے پڑا بیگ آہستگی سے اٹھا لیا اور باہر کی جانب بڑھ گئی۔

وہ ترک مافیا کے خلاف لڑنے میدان میں اتری تھی اور اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ ایک گہری دلدل میں دھنس چکی ہے جہاں موت تو آسکتی ہے لیکن وہاں سے نارمل اور عام انسانوں والی زندگی کی جانب واپس آنا ایک خواب تھا۔

اس گھر کی صبح ہمیشہ کی طرح رنگین تھی۔ وہ تینوں کسی سرسری سے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ناشتہ کر رہے تھے۔ ہمیشہ کی طرح ہادی کا انوکھا سوال تھا۔

”بابا! انٹارکٹیکا پر کون رہتا ہے؟“ وہ مسکرایا۔

”پہلے تو مجھے یہ بتاؤ انٹارکٹیکا ہے کیا؟“ اس نے سوال کیا۔

”یہ دنیا کا سرد ترین، خشک ترین اور ہوا دار ترین براعظم ہے جبکہ اس کی اوسط بلندی بھی تمام براعظموں سے زیادہ ہے۔ انٹارکٹیکا ایشیا، افریقا، شمالی امریکا اور جنوبی امریکا کے بعد دنیا کا پانچواں بڑا براعظم ہے جو 98 فیصد برف سے ڈھکا ہوا ہے جس کے باعث وہاں کوئی باقاعدہ و مستقل انسانی بستی نہیں۔“ کہتے ہوئے وہ چونکا۔ ہا۔۔۔ اس نے تو خود سے جواب دے دیا۔

”اور ہادی پاشا کیسے کہہ سکتا ہے کہ وہاں کوئی آبادی نہیں ہے؟“

”وہاں پر کوئی تو رہتا ہے۔“ وہاب نے بھی کہا۔

”جغرافیائی اصطلاح میں اسے South fringed zone بھی کہتے ہیں۔ وہاں مختلف ممالک کے تحقیق کرنے والے اداروں کا عملہ اور سائنسدان رہتے ہیں۔ انٹارکٹیکا پر اس وقت مختلف ممالک کے تقریباً 90 ریسرچ اسٹیشن قائم ہیں۔ ان میں انٹارکٹیکا کی گرمیوں میں یعنی دسمبر میں کم سے کم 4 ہزار افراد رہتے ہیں جبکہ سردیوں میں یعنی جون میں یہ تعداد 1 ہزار تک رہ جاتی ہے۔ اسکے علاوہ یہاں سیاحت کے لیے بھی گئے چنے لوگ آتے ہیں کیونکہ وہاں سیاحت پر جانے کے لئے جیب میں لاکھوں ڈالرز کا ہونا ضروری ہے (وہ ہلکا سا ہنسا)۔ انٹارکٹیکا پر دنیا کے 46 ممالک کے اسٹیشنز موجود ہیں۔ ان تمام ممالک نے ”انٹارکٹیکا ٹریٹی“ پر دستخط کیے ہوئے ہیں۔ وہاں تقریباً 2 ملین سالوں سے بارش نہیں ہوئی اور اس کے باوجود دنیا کے میٹھے پانی کے 80 فیصد ذخائر وہاں موجود ہیں، اگر یہ سب پگھل جائیں تو سمندری

سطح کو ساٹھ میٹر (200 فٹ) تک بڑھا سکتے ہیں۔۔۔“ وہ ابھی بتا رہا تھا کہ ڈور بیل کی آواز آئی۔ وہ خاموش ہوا۔

”مجھے لگتا ہے گل خانم ہونگی۔“ اس کے اٹھنے سے پہلے ہی ہادی مسکراتے ہوئے اپنی کرسی سے اٹھا اور تیزی سے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔ بہار کے ذکر پر اس کا چہرہ کھل اٹھتا تھا۔

”جو بھی ہوا نیچے لے آنا۔“ اس نے پیچھے سے ہدایت دی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ کس کو آنا ہے لیکن وہ حیران ضرور ہوتا تھا اس مسکراہٹ اور حقیقی خوشی پر جو بہار کے ذکر یا اس کی موجودگی میں اس کے بیٹوں کے چہروں پر ہوتی تھی۔ سر جھٹک کر اب وہ وہاب سے اس کی نیند کے بارے میں دریافت کرنے لگا تھا۔

”جی بابا! آج رات کو میں نے بھرپور نیند لی تھی لیکن فجر پر میں واقعی اسی قسم کے خوف سے اٹھ گیا لیکن اچھا ہی ہوا ورنہ فجر مس ہو جاتی۔“ وہ پرسکون اور ٹھہرے ہوئے انداز میں بتا رہا تھا۔ شاید وہ اپنے باپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

”اور میڈیسنز؟“ وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔

”سوری بابا! میں اسی طرح اوور کم کرنے کی کوشش کروں گا لیکن میڈیسنز پر نہیں جانا چاہتا۔ ان کی وجہ سے میں بہت کمزور محسوس کرتا ہوں اور سارا دن سر گھومتا رہتا ہے۔“

”تمام! آج اسکول سے میں خود پک کروں گا اور کتنے دن میں سر پرائز دے رہے ہو؟“ وہاب ہنس پڑا۔ چہرہ چمک اٹھا۔

”دو سپارے رہتے ہیں بابا۔ آئی ایم ویری ایکسائیٹڈ۔“ چہرہ گلابی ہوا۔ اس کی خوشی اس کے چہرے پر ظاہر ہوتی تھی۔

”ہونا بھی چاہیے۔“ وہ پوری طرح اس کی جانب متوجہ تھا۔

”بابا یہ انکل آئے ہیں۔“ ہادی بیزاری سے سیڑھیاں اتر کر واپس آیا اور برے موڈ سے بتایا۔ یقیناً وہ بہار کی جگہ حسن کو دیکھ لینے پر خوش نہیں ہوا تھا۔

”آؤ حسن! میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔“ وہ کھڑا ہوا اور حسن سے مصافحہ کیا۔ ہادی کے برعکس اس نے اور وہاب نے حسن کے آنے کا برا نہیں منایا تھا۔ اسے بیٹھنے کا کہہ کر وہ خود اس کے لیے چائے ڈالنے لگا۔ حسن ایک خوب رو نوجوان تھا جو اپنے ویل ڈریس اور پروفیشنل حلیے میں بے حد اچھا لگ رہا تھا۔

”حلیل سعدی کے شیر! یہ حسن غازی ہے اور آج سے، بلکہ ابھی سے یہ ہمیشہ تم لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ باڈی گارڈ نہیں، کیئر ٹیکر نہیں بس ایک محافظ۔ یہ تم لوگوں کا ملازم نہیں بڑے بھائی جیسا ہے اور آج سے حسن کا کہا ماننا ایسے فرض ہے جیسے حلیل سعدی کا کہا ماننا۔ گاٹ اٹ؟“ وہاب نے اثبات میں سر ہلایا۔

”آئی ڈونٹ نیڈ حسن غازی۔ مجھے آپ کے ساتھ ہی ہر جگہ رہنا ہے۔“ ہادی نے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے نروٹھے پن سے کہا۔

اس نے گہرا سانس لیا۔ ماں اور باپ دونوں بن کر اولاد کو سنبھالنا اس کے لیے مشکل تھا لیکن وہ اپنی بھرپور کوشش سے سب انڈر کنٹرول رکھے ہوئے تھا۔ وہ جانتا تھا ہادی کو توجہ چاہیے اور وہ ہر وقت اسے توجہ نہیں دے سکتا تھا۔ اسے اور بھی بہت کام تھے۔ اسے ہادی کو منانا ہی تھا۔

”ہادی پاشا! کیا مجھے یہ خیال کرنا چاہیے کہ میرا بیٹا ایک بزدل، کمزور اور بگڑا ہوا امیر زادہ ہے؟“ وہ اس کی کرسی کے سامنے بیٹھ گیا اور سر اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔ ہادی نے بس خفا نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔

”یا مجھے یہ خیال کرنا چاہیے کہ ایک مرد کی طرح بیساکھیوں کے بغیر چلنے کے لیے ہادی پاشا کو حلیل سعدی کی ضرورت نہیں ہے۔“

”مجھے مرد بننے کے لیے ہمیشہ حلیل سعدی کی ضرورت ہے بابا۔“ وہ بس اتنی وضاحت دے کر کرسی سے اٹھ کر حلیل کے گلے لگ گیا۔

”اور حلیل سعدی ہمیشہ ہادی پاشا کے لئے موجود ہوگا۔ یہ وعدہ ہے حلیل سعدی کا۔“
 ”مجھے اس وعدے پر یقین ہے۔“ حلیل اسے لیے کھڑا ہو گیا اور اس کا چہرہ چوما۔

”ویل حسن غازی! میرا بڑا بیٹا بہت سمجھدار ہے اور ہر وقت تمہارے ساتھ تعاون کرتا رہے گا لیکن میرا چھوٹا بیٹا تمہیں ٹف ٹائم دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گا۔ جب تم صبح ڈیوٹی پر آؤ تو اپنا سارا غصہ اپنے گھر چھوڑ کر آؤ اور ڈھیر سارا صبر اپنے اندر فٹ کروا لو کیونکہ ہادی تمہیں یہ جاب چھوڑنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ ویلکم ٹو یور جاب حسن غازی۔“ وہ مسکرایا اور یہ شاید پہلی اور آخری مرتبہ تھا

جب حسن غازی نے حلیل سعدی کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے حلیل سعدی کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا اور ہادی کو دیکھا جو واقعی جتنا ہی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”ویکم حسن آبی۔“ وہاب حسن کے قریب گیا اور اس سے مصافحہ کیا۔

”تمہارا شکریہ وہاب۔“ حلیل سعدی نے ہادی کو نیچے اتارا اور وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا حسن کی جانب بڑھا۔

”ویکم ٹو یو۔“ اس نے مرے باندھے ہاتھ ملایا تھا۔ حسن نے اس کا ہاتھ بھی تھام لیا۔ ان تینوں کی زندگی میں بہار کے بعد حسن کی آمد بھی خوش آئند تھی۔

وہ استنبول کے قریب ہی ایک علاقہ تھا جو زیادہ پرانا تو نہیں تھا لیکن خوبصورت تھا۔ وہ اس نیلے پتھروں والے گھر کے باہر اپنی ٹیم کے ساتھ موجود تھی۔ اس بارے میں حلیل سعدی نہیں جانتا تھا اور وہ چاہتی تھی کہ وہ نہ جان سکے۔

”تم لوگ یہیں بیٹھ کر مجھے مانیٹر کرو گے۔ ایدا اگر اندر ہوئی تو یہ ہمارا بونس ہوگا اور اگر کچھ غلط ہوا تو میرے سگنل کا انتظار کرنا۔“

”ساوجی مجھے لگتا ہے آپ کو اکیلے اندر نہیں جانا چاہیے۔“

”میں بھی کاغان کی بات سے متفق ہوں۔ ایک ذلیل مافیا کے کیس کے لیے آپ اپنی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتیں۔“

”کوئی بھی جرم ثابت ہونے سے پہلے میں حلیل سعدی کو کٹھرے میں نہیں کھڑا کر سکتی اور پلیز آپ لوگ ذرا مہذب زبان کا استعمال کیا کریں۔ آپ بھی مسٹر ڈیشکو۔“ وہ سنجیدگی سے کہتی باہر نکلی۔ کالے تھری پیس سوٹ اور سفید شرٹ کے ساتھ اس نے لیڈر کا کالا بیگ تھام رکھا تھا۔ وہ ایک پیشہ ورانہ وکیل نظر آتی تھی۔ کھلے آبرن بال لیئرز کی صورت میں کٹے ہوئے باین کندھے پر گرے ہوئے تھے اور ایک سفید رنگ کا مفلر گلے کے گرد باندھ رکھا تھا۔ سیاہ ڈائمنڈ کانوں میں چمک رہے تھے۔ وہ رکی اور اپنا بیگ کار میں واپس رکھا۔ اسے اس کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ گھر کے دروازے کے پاس آئی اور جالی دار دروازہ ہٹا کر سارے میں نظر دوڑائی۔ وہ گہرا سانس لیتی آگے آئی اور دایاں ہاتھ کمر پر پھیرتے ہوئے اس نے گن ساتھ ہونے کی تصدیق کی اور آگے بڑھ آئی۔

گھر کے بیرونی اسٹیپ چڑھ کر اس نے بیل بجائی اور انتظار کرنے لگی۔ ایک لڑکے نے دروازہ کھولا تو بہار نے سکھ کا سانس لیا لیکن وہ دیکھ سکتی تھی کہ اسے دیکھ کر اس لڑکے کے چہرے پر چونک جانے والے تاثرات تھے۔

”مرحبا! میں اینٹی ٹیرازم پراسیکیوٹر بہار سلطان ہوں۔ ایداسے ملاقات کے لیے آئی ہوں۔ کیا وہ گھر پر ہیں؟“ اس نے پیشہ ورانہ انداز میں پوچھا۔

”نہیں۔۔۔ وہ گھر پر نہیں ہے۔“

”لیکن اس نے تو کہا تھا وہ گھر پر ہوگی؟ میں اسے کال کرتی ہوں۔“ وہ اپنا فون نکالنے لگی۔

”اس نے ایسا کب کہا؟“ ایئر پیس پر کاغان کی آواز سنائی دی تھی۔

”یوک یوک۔۔۔ آپ اسے کال مت کریں میں اسے بلاتا ہوں۔“ وہ آدمی اندر چلا گیا۔

”یہ کون تھا؟ ایدا کے خاندان میں دور دور تک اسے نہیں دیکھا گیا۔“ وہ آہستگی سے پوچھ رہی تھی۔

”میں چیک کر رہا ہوں پراسیکیوٹر۔“ کاغان کی بوکھلائی ہوئی آواز آئی۔

وہ مسکراتے ہوئے ارد گرد دیکھنے لگی۔ وہ چونکی جب اسے گھر کے پچھلے حصے میں کسی کار کی جھلک نظر

آئی۔ ایک نظر بند دروازے کو دیکھا اور اس جانب آئی تو شک سے اس کی آنکھیں پوری کی پوری

کھل گئیں۔ وہ کار۔۔۔ وہ کس کے زیر استعمال تھی؟ کیا وہ یہاں تھا؟ نہیں ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر

اس نے غلط طریقہ ہی استعمال کرنا تھا تو قانون کو بیچ میں ڈالنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ الجھے ہوئے

دماغ کے ساتھ واپس دروازے تک آئی کیونکہ دروازہ کھل چکا تھا۔ وہ زبردستی مسکرائی۔

”ایدا کیسی ہو؟ مجھے ایک اہم کیس کے سلسلے میں تم سے پوچھنا تھا۔“ ایدا کا چہرہ بہت سنجیدہ

تھا لیکن وہ مسکرا کر مزید کہہ رہی تھی۔

”یہ مت سمجھنا کہ میں حلیل سعدی کی وکیل ہوں تو تمہارے ساتھ نا انصافی ہونے دوں گی۔۔۔“

”کیا آپ حلیل سعدی کی وکیل ہیں؟“ وہ سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

”میں۔۔۔ ہاں لیکن۔۔۔“

”آپ جاسکتی ہیں۔ مجھے کوئی جواب نہیں دینے۔“ اس نے دروازہ بند کرنے کو ہاتھ آگے بڑھایا۔ اس

کے دائیں ہاتھ کے درمیان میں انگریزی میں PRISONER لکھا ہوا تھا۔ بہار نے چونک کر اس کا

چہرہ دیکھا جہاں منت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس نے ایدا کے پیچھے کھڑے لڑکے کو دیکھا اور پھر بنا مزید کچھ کہے اس نے جیب سے گن نکالی اور دروازہ پوری قوت سے کھول دیا۔

”بیک اپ!“ اس نے ایئر پیس پر کاغان کو کوئی میسج دیا اور اس لڑکے کو کالر سے پکڑے، اس کی کنپٹی پر گن رکھے اندر لے آئی۔ طویل راہداری کے ختم ہوتے ہی لونگ روم کا حصہ نمایاں ہوا اور بہار کے شک پر یقین کی مہر ثبت کر گیا۔

”ویلم ساوجی!“ بہار کے ہاتھ سے گن خود بخود نیچے ہوتی چلی گئی۔ وہ صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے ریلکس سا بیٹھا ہوا تھا۔

”تم یہاں کیا کر رہے ہو؟“ کچھ ٹوٹا تھا اس کے اندر۔ ساری عزت اور وقار کا ملیا میٹ ہو گیا تھا۔ اب اسے خود کو مزید دھوکے میں نہیں رکھنا تھا۔ وہ ایک مافیا تھا، وہ ایک مافیا ہے اور شاید وہ ایک مافیا ہی رہے گا۔ وہ ال لیگل طریقے سے گواہی خریدنے آیا تھا۔ اب بہار نے تسلیم کرنا ہی تھا۔ آج وہ مفروضے پر یقین کرنا چاہتی تھی۔

”ساوجی میں آپ کو سب سمجھاتا ہوں۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بہار کے چہرے پر رقم بے یقینی دیکھ چکا تھا۔ بہار کا وہاں آنا اس کی پلاننگ میں نہیں تھا اور اس کے سورسز نے بھی اسے بہار کے یہاں آنے کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ حد ہے لا پرواہی کی! وہ یہاں سے غائب بھی ہو جاتا لیکن چھپ کر جانے کا بھی فائدہ نہیں تھا وہ باہر اس کی کار دیکھ چکی تھی۔

”مجھے صرف ہاں یا نہ میں وضاحت چاہیے حلیل سعدی۔ کیا آپ اور آپ کے لوگ یہاں ایدا کو دھمکانے آئے تھے؟“ ایدا اس کے پیچھے ہی کھڑی تھی۔ حلیل نے ایک نظر ایدا کو دیکھا۔ وہ عورت کارڈ کھیل گئی تھی۔ اسے غصہ آنے لگا۔

”ساوجی میں۔۔۔“

”ہاں یا نہ؟“ وہ سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔ حلیل نے گہرا سانس لیا اور اثبات میں سر ہلایا۔

”آفرین حلیل بے آفرین! میں وہاں اپنے کلائنٹ کے لیے اپنی جان پر کھیل کر ثبوت تلاش کرنے کی کوشش کرتی ہوں، پولیس آفیسرز کے ساتھ مغز ماری کرتی ہوں اور یہاں میرے کلائنٹ صاحب شارٹ کٹ کا استعمال کرتے ہوئے گواہ کو دھمکانے آجاتے ہیں۔ براوو حلیل سعدی براوو! ایک عام شہری کو دھمکانے کی سزا جانتے ہیں؟ میں نے کہا تھا میں ایدا سے بات کرنے آؤں گی۔ مجھے یقین تھا یہ میری مدد کو تیار ہو جائے گی۔ تھوڑا سا انتظار کر لیتے۔ مجھ پر یقین تو کیا ہوتا۔“ وہ اس وقت شدید نقصان سے دوچار تھی۔ ان کے درمیان کبھی trust built ہی نہیں ہوا تھا۔ وہ کوشش کرتی تھی لیکن دوسرے جانب سے کوشش نہیں کی جا رہی تھی۔

”میں بات اچھے سے جانتا ہوں کہ پینل کوڈ کا آرٹیکل 106، 107 اور کریمینل کوڈ کا لاء 5237 کیا کہتا ہے لیکن ساوجی۔۔۔“ اس کی باقی ٹیم بھی اندر آگئی اور وہ شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کی پوری بات سنے بغیر وہاں سے باہر نکل گئی۔ اسے تازہ ہوا کی ضرورت تھی۔

(پینل کوڈ کا آرٹیکل 106 کہتا ہے کہ کوئی بھی شخص جو کسی دوسرے فرد کو یہ کہہ کر دھمکی دیتا ہے کہ اس فرد پر یا اس کے رشتہ دار کی زندگی پر جسمانی یا جنسی استثنیٰ پر حملہ کرے گا اسے چھ ماہ سے

دو سال تک قید کی سزا دی جائے گی۔ جہاں دھمکی کا تعلق معاشی اثاثوں کے وسیع نقصان یا دیگر متعلقہ نقصانات سے ہے، وہاں متاثرہ کی شکایت پر چھ ماہ تک قید یا عدالتی جرمانے کی سزا ہوگی۔

پینل کوڈ کا آرٹیکل 107 کہتا ہے کہ کوئی بھی شخص جو کسی فرد کو غیر قانونی مفاد حاصل کرنے پر مجبور کرتا ہے یا کسی کو غلط کام کرنے پر مجبور کرتا ہے اور عمل کرنے میں ناکام ہوتا ہے (جیسے کہ اس کی ڈیوٹی کے دائرہ کار میں نہیں ہے)۔ قانون کے خلاف کوئی کام انجام دینے کے لیے، یا یہ بتانے سے کہ وہ کوئی ایسا کام کرے گا یا نہیں کرے گا جو اس کے فرائض یا حقوق کے اندر ہو گا، اسے ایک سے تین سال کی قید اور پانچ ہزار دن تک کے عدالتی جرمانے کی سزا دی جائے گی۔ کریمینل کوڈ کے لاء 5237 کے مختلف آرٹیکلز ہیں جو اسی طرح کے کئی جرائم کو دیکھتا ہے۔

وہ سیڑھیاں اتر رہی تھی جب وہ اس کے پیچھے آیا تھا۔

”بک ساوجی۔۔۔“ وہ آگے چلتی گئی اور گھر کے دروازے تک آکر رکی اور اس کی جانب پلٹی۔

”میری زندگی کا ایک بڑا اہم اصول ہے حلیل سعدی کہ جو لوگ آپ کو ڈیزرو نہیں کرتے انہیں آپ کے خوابوں سے دور رہنا چاہیے۔ میں کسی قسم کی ذہنی بیماری کا شکار نہیں ہونا چاہتی۔ جب آپ کو لگے کہ مجھے دھوکے میں رکھنے سے آپ کو فائدہ نہیں ہوگا تب اپنا کیس پورے خلوص سے لائیں ورنہ میں آپ کو اب تک کی محنت کے بعد کے فیس واپس بھیج دوں گی۔“

”میرا اس کیس سے ہر حال میں نکلنا ضروری ہے ساوجی۔ چاہے سیدھے طریقے سے یا غلط طریقے سے۔ میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا تھا سب پلان کر کے چلنا چاہتا تھا۔ میں اسے دھمکا نہیں رہا تھا۔“

”پھر قانون کا سہارا کیوں لے رہے ہو؟ یہ کام تو تم ڈرا دھمکا کر بہت اچھے سے کر رہے ہو۔“

”قانون۔۔ قانون تبدیل نہیں کر سکتا ساوجی ورنہ سب اپنے طریقے سے ہینڈل کر لیتا۔“

”یہ سب قتل کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا حلیل سعدی۔ اب جب تم قتل کر چکے ہو تو اپنے ارد گرد موجود ہر چیز کو بلیم کر رہے ہو جو تمہیں مجرم ثابت کرتی ہیں۔“

”میں نے وہ قتل نہیں کیا ساوجی۔“ ایک ایک لفظ ٹھہر ٹھہر کر بولا گیا گویا بہت سا غصہ اپنے اندر ضبط کیا ہو۔

”بچ۔ میں یقین نہیں کروں گی لیکن یہ کیس اگر میں لڑوں گی تو جتوائے بغیر پیچھے نہیں ہٹوں گی۔ یہ بہار سلطان کا وعدہ ہے۔“ اس نے بیگ سے اپنے گلاسز نکالے اور آنکھوں پر چڑھاتی وہاں سے چلی گئی۔ وہ وہیں کھڑا رہ گیا۔ اسے اپنا غصہ کنٹرول میں رکھنا آتا تھا لیکن اس وقت وہ اسے غلط سمجھ کر گئی تھی۔

کاغان اس کے پاس سے ہوتا باہر جانے لگا تو وہ اسے ”ایڈیٹ“ کہہ کر اندر کی جانب چلا آیا۔ ایدا کو بہار کی ٹیم اس کے آفس لے جا رہی تھی۔

18 نومبر

وہ سب ایئرپورٹ جانے کے لیے تقریباً تیار بیٹھے تھے لیکن ابھی کافی وقت بھی تھا اور حلیل بھی نہیں آیا تھا۔ وہ اور وہاب لاؤنج میں اس کے انتظار میں ٹھہل رہے تھے لیکن ہادی ان سے الگ تھلگ سا باہر

سوئمنگ پول کے پاس رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھا کام میں مشغول تھا۔ آج پالرمو کی دھوپ اچھی تھی جو وہ باہر آکر بیٹھا تھا لیکن شیڈ کے نیچے بیٹھے ہونے سے وہ دھوپ کی سیدھی خطرناک شعاعوں سے بچا ہوا تھا۔ وہاب نے ہادی کے کلیپٹومینیا کی ساری داستان بہار کو سنائی تھی اور ساتھ میں اس کا پورا پورا پردہ بھی رکھا۔ بہار حلیل سعدی کے غیرت مند بیٹوں کی اس عادت سے واقف تھی۔

”وہ کیا کر رہا ہے؟“ بہار نے ساتھ کھڑے وہاب سے پوچھا۔ وہ دونوں پردے ہٹائے گلاس وال سے باہر ہی دیکھ رہے تھے جہاں کوئی بے حد مصروف تھا۔

وہ تلاوت کر رہا تھا۔

وہ جو نہایت مہربان ہے
 اسی نے قرآن کی تعلیم فرمائی
 اسی نے انسان کو پیدا کیا
 اسی نے اسکو بولنا سکھایا
 سورج اور چاند ایک حساب مقرر سے چل رہے ہیں
 اور بوٹیاں اور درخت سجدہ کر رہے ہیں
 اور اسی نے آسمان کو بلند کیا اور میزان عدل قائم کر دی
 کہ اس میزان میں حد سے تجاوز نہ کرو

اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور تول کم مت کرو

اور اسی نے خلقت کے لئے زمین بچائی

اس میں میوے اور کھجور کے درخت ہیں جنکے خوشوں پر غلاف ہوتے ہیں

اور اناج جسکے ساتھ بھس ہوتا ہے اور خوشبودار پھول

تو اے گروہ جن و انس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

(سورۃ رحمن: آیت 1 تا 13)

وہ دونوں اسے ہی دیکھتے رہے۔

اب باہر واپس آؤ تو تمہیں ہادی کے چہرے پر جھنجھلاہٹ واضح نظر آئے گی۔ اس کی شیخ سے گفتگو شروع ہو چکی تھی۔

”دیکھیں شیخ آپ کہہ رہے ہیں ایک ایسی تباہی ہے جو کسی خاص وقت پر آئے گی لیکن اس میں جو راستے کا ذکر ہے اس کا کیا مطلب ہے؟“

”دیکھو اسلان! میں نے بتایا کہ 'بحسبان' کا مطلب ہے ایسی تباہی جو خاص وقت پر آتی ہے اس طرح عربی زبان میں 'حسبان' کا مطلب ہوتا ہے ٹریول کرنا، ٹائم مینجمنٹ کرنا جیسے سورج اور چاند کا اپنا ایک وقت ہے۔ وہ دونوں اپنے ٹائم کے پابند ہیں اور اسی میں ٹریول کرتے ہیں۔“

”یانی ٹائم ٹریول؟“

”ہاں جیسے ایک ہوتا ہے کیلنڈر جس پر سال، مہینے اور دن بتائے جاتے ہیں۔ یہ ایک لمبا ٹریول ہے جو کہ سورج کا ہے اور ایک ہوتی ہے گھڑی نارمل سی وقت بتانے والی، گھنٹے، منٹ اور سیکنڈ بتانے والی گھڑی جو کہ اپنے مدار کے گرد گھومتی ہے اسے چاند کا ٹریول سمجھو۔ چاند ایک مہینے میں ایک مرتبہ مکمل ہو کر ایک مرتبہ ختم ہوتا ہے لیکن سورج اتنا ہی رہتا ہے لیکن اس خاص وقت اور ٹریول کے باوجود یہ دونوں ایک ہی خاص تباہی کے بالکل قریب ہیں جو قیامت ہے۔“

”اوکے اگلی آیت بھی بڑی کنفیوزنگ تھی میرے لیے کہ ستاروں اور درختوں کو کیوں اکٹھا رکھا گیا؟ ستاروں کو پچھلی آیت کے ساتھ کیوں نہیں جوڑا گیا کہ جب خاص تباہی آئے گی تو ستارے بھی تو شوٹنگ اسٹارز بنیں گے اور اس سب میں شجر کے ساتھ باغوں کا ذکر ہونا چاہیے تھا۔“ وہ منہ بنائے پوچھ رہا تھا۔

وہاب بھی باہر آگیا کیونکہ اس نے حلیل کو آتے دیکھ لیا تھا۔ بہار کچھ دیر وہیں کھڑی رہی پھر کچن میں آگئی۔

باہر شیخ کہہ رہے تھے۔ ”ایک بڑی غلطی جو میرے بچے نے کی ہے وہ یہ کہ اس آیت کو غلط طریقے سے سمجھا ہے۔ پچھلی آیت میں وارننگ تھی لیکن اس آیت میں امید ہے ہادی۔“

”ناممکن۔۔۔“ اس نے آگے ہو کر مزید غور سے سننا چاہا۔

”واپس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جاؤ۔ اس جگہ میں خود کو امیجن کرو جہاں وہ رہتے تھے؟“

”وہ مکہ مدینہ میں۔۔۔ انتہائی گرم شہروں میں صحرائی زمینوں پر رہتے تھے۔“ اس نے آنکھیں بند کر کے امیجن کیا۔ حلیل نے وہاب کو پیار کیا اور آکر ہادی کے پاس ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔

”ایسے میں اگر تم وہاں ہوتے تو تمہاری سب سے بڑی خواہش کیا ہوتی کہ اس وقت یہاں کیا ہو جو تمہیں تپتے صحرا میں دھوپ سے بچائے؟“

”ہرے بھرے گرین سے درخت جو فرحت کا باعث بنیں۔“

”اور خالی آسمان پر تم رات کے وقت کیا دیکھنا چاہو گے؟ کیا جن چڑیلیں اور چمگاڑیں؟“

”نہیں نہیں۔۔۔ خوبصورت سا چاند اور ستاروں سے بھرا آسمان اور ان میں سے ایک ستارہ چل رہا ہو اور میری نظریں دور تک اس کا پیچھا کریں۔“ اس نے جھٹ سے آنکھیں کھول کر شیخ کو دیکھا۔

”میں سمجھ گیا کہ ان دونوں کو اکٹھے رکھ کر کیوں کہا گیا ہے کہ یہ سجدہ کرتے ہیں۔“

”کیوں؟“ تین آوازوں پر وہ حیران ہوا۔ اس نے ساتھ والی کرسی پر بیٹھے حلیل کو دیکھا اور اس کے ساتھ کھڑے وہاب کو دیکھا اور اندرونی دروازے سے باہر آتی بہار کو دیکھا اور پھر اسکرین کی جانب دیکھا جہاں شیخ کو اس کے جواب کا انتظار تھا۔

”جب شوٹنگ اسٹارز آسمان پر امیج بناتے ہیں تو وہ ایک راؤنڈ سی شکل بنتی ہے۔ ایسا لگتا ہے وہ سجدہ کر رہے ہیں اور درخت کا سایہ جب نکلتا ہے تو بھی یوں لگتا ہے کہ وہ حالتِ سجدہ میں ہے۔ یہ ریلیف دینے والی آیت ہے شیخ اور اللہ پاک بتا رہے ہیں کہ اس روز کوئی خوبصورت شے اس دنیا میں نہیں رہ جائے گی۔“ بہار نے میز پر ٹرے رکھا جس میں آئس کریم کپ تھے۔ حلیل اسے دیکھ کر مسکرایا

لیکن وہ اپنا کپ اٹھا کر وہاں سے ہٹ گئی جیسے ان کی گفتگو میں دخل اندازی نہ کرنا چاہتی ہو۔ وہ نہیں مسکرائی۔ بات بے بات مسکرانا اسے نہیں آتا تھا۔

”میرا بچہ بہت ذہین ہے ماشاء اللہ اور کیا سمجھ نہیں آرہا تھا؟“ شیخ پیار سے پوچھ رہے تھے۔ وہاب نے بہار کو دیکھا۔ وہ سوئمنگ پول کی سیڑھیوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے جانا چاہا پھر کچھ سوچ کر وہیں ٹکا رہا۔

”ابھی کے لیے اتنا کافی ہے شیخ۔ آپ بابا سے بات کریں۔“ اس نے آئی پیڈ حلیل کی جانب بڑھا دیا اور اپنا آئس کریم کپ اٹھا کر بہار کی جانب چلا آیا۔ وہاب نے ان دونوں کو دیکھا اور پھر حلیل کو۔ وہ شیخ سے سلام دعا کر رہا تھا۔ اس نے حلیل کا آئس کریم کپ اس کے سامنے رکھا اور ہادی کی چھوڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔

”آپ اور لیں گی؟“ اس نے چونک کر گردن موڑی تو ہادی وہاں کھڑا تھا۔ وہ مسکرائی اور اسے اپنے ساتھ بیٹھنے کو کہا۔

”میں اندر سے اور لے لوں گی تم کھاؤ۔“

”میں ساری زندگی آپ کو آئس کریم ناشتے میں کھلا سکتا ہوں اگر آپ مجھے چھوڑ کر نہ جائیں۔“ اس نے ہادی کو اپنے ساتھ لگایا۔

”میں کہیں نہیں جا رہی ہادی پاشا۔۔۔ ساری زندگی ناشتے میں آئس کریم کھلانے کے لیے تیار رہو۔“ وہ مسکرا دیا۔

”ہادی کا کیا ہو گا بابا؟“ وہ کال ختم کر چکا تھا اور اب اپنا کپ اٹھائے ان دونوں کو ہی دیکھ رہا تھا جب وہاب نے پوچھا۔

”تم میرے بڑے سمجھدار بیٹے ہو۔ کوئی حل دو۔“

”گل خانم کو روک لیتے ہیں۔“

”پتہ ہے وہاب! مجھے لگتا ہے وہ ہمیں چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گی۔“ وہ یقین سے بولا۔

”جینٹل مین پرامس؟“ وہاب نے پرجوش سے انداز میں کھڑا ہوتے اپنا دایاں ہاتھ آگے کیا۔

”یس اس جینٹل مین پرامس۔“ حلیل نے اس کا ہاتھ پکڑنے کے بعد چوما اور کھڑے ہوتے ہوئے

اس خود سے لگایا۔

”آپ کو ابابیل کیوں پسند ہیں بابا؟“ اس نے سوال تبدیل کر لیا۔

”بہت سی وجوہات ہیں جیسے یہ کبھی بھیک نہیں مانگتے، محنت اور جہد مسلسل سے اپنا اور بچوں کا پیٹ

پالتے ہیں۔ یہ وقت کے بہت پابند ہوتے ہیں، ان میں کمال حد تک اتحاد اور تنظیم کا جذبہ پایا جاتا

ہے۔ اکیلے اور بغیر کسی راہنما کے سفر بھی نہیں کرتے۔ تمہیں ابابیل تو کیا کوئی پرندہ ذخیرہ اندوزی

کرتا نظر نہیں آئے گا۔ کیونکہ یہ حریص نہیں ہوتے اور سب سے بڑھ کر یہ صابر اور توکل کرنے والی

مخلوق ہے۔ جس کی گواہی پیارے نبی ﷺ نے بھی دی ہے۔ فرمایا ”جنت میں ایک ایسا گروہ داخل ہو

گا جسکے دل پرندوں جیسے ہوں گے یعنی صبر اور توکل کرنے والے۔“ آخری اور سب سے امیز کرنے

والی بات یہ کہ یہ مستقل ایک جگہ یا مقام کے قیدی ہو کر نہیں رہتے۔ کسی جگہ کو جاگیر نہیں بناتے

بلکہ جہاں رزق اور سازگار ماحول مل جائے وہیں ڈیرہ ڈال لیتے ہیں ورنہ سفر کرتے رہتے ہیں۔“ بتاتے ہوئے اس کا تسلسل ٹوٹا جب اسے بہار اور ہادی کے زندگی سے بھرپور قہقہے کی آواز سنائی دی۔ وہ افسردہ سا مسکرا دیا۔

”کس کی ٹیم کا پلڑا بھاری ہے وہاب؟“ اس نے دوستانہ انداز میں وہاب سے پوچھا۔
 ”اف کارس ہماری۔ آفٹر آل وی آر جینٹل مین۔“ وہ دونوں بھی سوئمنگ پول کے پاس بیٹھے نفوس کو دیکھتے ہوئے ہنس پڑے۔

ان دونوں نے گردن موڑ کر دیکھا لیکن اب کہ یہ دونوں ان دونوں کی جانب متوجہ نہیں تھے۔

جاری ہے۔ انشاء اللہ!

اگلی قسط پڑھنے کے لیے ہماری سائیٹ وزٹ کریں یا ہمارے انسٹا آکاونٹ پر کانٹیکٹ کریں۔۔
 ڈیٹیلز نیچے درج ہیں۔۔۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔۔۔

السلام علیکم احباب۔۔۔۔۔

ناولز کی دنیا کے ناولز میں خوش آمدید۔۔۔۔۔

ناولز کی دنیا "ویب سائیٹ / گروپ / پیج" دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خداداد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کر سکتے ہیں --- اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں --- ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے ---

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں -- اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہو سکا آپکی تحریر پوسٹ ہو جائے گی ---

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں --

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- [Novels ki duniya](#)

(user name [@zoyatalib77](#))

Facebook group :- [Novels ki duniya](#)

Instagram Page:- [Zoya Talib](#) (UserName: [Novelskiduniya77](#))

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو)

اور باقی کے رابطے کے لیے ہر پیج کے نیچے

["novels ki duniya"](#)

اور

["website"](#)

لکھا ہے ان دونوں کو وزٹ کرنے کے لیے لکھے ہوئے پر ہی کلک کریں اور اوپن کر لیں --

شکریہ ----